حضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ
روزنامہ
صبح دکن
۱۳۵۶ھ
سالگرہ نمبر
Checked 1975
مدیرین
احمد عارف - علی اشرف
مہتمم: محمد وحید الحق صوفی
مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر ٹیلیفون نمبر

زیر سرپرستی خاص اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ
دور عثمانی کی قابل فخر و مستند مصنوعات
جس کے ایجاد کا سہرا
ہندوستان کی مشہور نمائشوں و لندن سے طلائی تمغے یافتہ دکن ہیر آئیل کمپنی
کے سر ہے
دکن ہیر آئیل
ملک کی یہی وہ مایۂ ناز صنعت ہے
جس کے
بے مثل فوائد سے دنیا کی کوئی ہستی
انکار نہیں کرسکتی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر و
حکیم اس کے فوائد کو تسلیم اور اس کے
استعمال کی سفارش کرتے ہیں قیمت علاوہ
اخراجات ٹپہ ۱۴ار
نظام ویجیٹبل ہیر آئیل
شاہ دکن و برار
کا
پسندیدہ۔ معزز طبقہ کا مرغوب طبع
اہل علم کا دوست۔ طبقہ اناث
میں بے حد مقبول، تقویت دماغ و درازی
گیسو کا تنہا ضامن۔ لاثانی و پائیدار
خوشبو
قیمت علاوہ اخراجات ٹپہ عہ ۱۴ار
گولڈن اسنو
شیونگ کے بعد اور بلحاظ ضرورت استعمال کرنے کے لئے یہ
ایک نہایت مفید اور موثر غازہ ہے۔ قدرتی حسن کی حفاظت
اور چہرہ کے تمام نقائص دور کرکے ایک خاص دلفریبی
پیدا کرتا ہے
قیمت علاوہ اخراجات ٹپہ ۱۲ار
سلور جوبلی سینٹ
اس کمپنی کی یہ تازہ ترین صنعت ہے۔ دیرینہ تجربہ کی بنا پر دعوے کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ
کوئی ہندوستانی کمپنی انگلش سینٹ کے مقابلہ میں اتنا کامیاب سینٹ آج تک تیار نہ کرسکی فرانس
و پیرس کے عطریات کی ایرانی طرز کی خوشبو جو آج کل عام طور پر پسند کی جارہی ہے اس کو بھی بالکل
اسی طرز پر تیار کیا گیا ہے قیمت شیشی کلاں عہ خورد ۱۰ار
سول پروپرائیٹر دکن ہیر آئیل کمپنی حویلی قاسم حیدرآباد دکن

اپنا پیٹ کون نہین بھر لیتا
مگر دنیا مین اس سے زیادہ بھی کچھ ہے
یعنی
ایک پُر آسائش زندگی
زندگی کو راحت و آرام سے گذارنے کے لئے ایک معزز سیلسمین بنئے
دنیا میں سیلسمین ہی ایک ایسا کاروباری انسان ہے جسے کبھی خسارہ
نہین ہوتا۔ وہ ہر سودے کے بعد کامیاب زندگی کی طرف ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے،
ہم آپ کو اپنی جماعت مین شامل ہونیکی دعوت دیتے ہین
محفوظ معاملہ
مستقل منافع
آسان شرائط
معزز پیشہ
آج ہی آیئے اور ہمارے ساتھ شریک ہو جایئے
ہندوستان کوآپریٹیو انشورنس سوسائٹی لمیٹیڈ
ایس سی مزمدار منیجر
بمبئی ہیڈ آفس ہارنبی روڈ
مقامی دفتر سنٹرل بنک بلڈنگ
شاہراہ عثمانی حیدرآباد
ہندوستان کی پیشرو بیمہ کمپنی
حفاظت کا یقین دلانے والی مہر
HINDUSTHAN CO-OPERATIVE INSURANCE SOCIETY LIMITED
HCIS

"ہر طرح اطمینان بخش اور بہترین دستور العمل"

مناسب شرح سود۔ لین دین کی آسانیان۔ غیر معمولی خدمتین سہل ترین شرائط۔ ہمدردانہ برتاؤ۔ کاروباری سہولتین اور محفوظ طریقہ کار آپ کو اورنٹیل کمرشل بنک مین اپنا کھاتہ کھولنے کی دعوت دیتے ہین۔

اورینٹل کمرشل بنک۔ بنکنگ کاروبار کی ہر لائن پر آپ کی رہنمائی کرتا اور ضرورت کے وقت آپ کو امداد پیش کرتا ہے ——

سیونگ بنک شرح سود ۴ فیصدی سالانہ روزانہ بقایا بر آمدی رقم ذریعہ چیک روزانہ ایک بار
کرنٹ اکاؤنٹ ۲ فیصدی سالانہ روزانہ بقایا پر
فکسڈ ڈپازٹ کی غیر معمولی شرح سود دریافت کیجئے

طلائی زیورات اور دیگر مناسب کفالتون پر قرض۔ حالی و کلدار کا تبادلہ۔ عراق بغداد وغیرہ کے بحری و ہوائی سفر کیلئے فراہمی ٹکٹ۔ سیاحون کے لئے۔ انگلینڈ۔ فرانس۔ جرمنی۔ امریکہ وغیرہ کے واسطے ٹریولرس چیک۔ دیگر تمام کاروبار کی انجام دہی

اورینٹل کمرشل بنک لمیٹڈ

عابد بلڈنگ حیدرآباد دکن
ٹیلیفون نمبر ۱۰۔ تار کا پتہ کوائن

فہرست مضامین

سالگرہ ہمایونی ہر سال اپنے ساتھ زندگی و مسرت کا ایک نیا پیام لاتی ہے۔ اور اہل حیدرآباد کے جذبات عقیدت و محبت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ حیدرآبادیوں نے تاجداران دکن کے ساتھ ہمیشہ اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ہمارے جہان پناہ کی باعظمت شخصیت نے ان کے دل جس طرح موہ لئے اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

حکیم السیاست اعلیحضرت بندگانعالی متعالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی جمہور نوازی اور بیدار مغزی نے حیدرآباد میں زندگی کی جو روح پھونکی اور علم و عمل کے بند چشموں کو روانی کی جو قوت بخشی اس کا ایک زمانہ قائل ہے۔ دور عثمانی میں حیدرآباد ترقی کی منزلیں نہایت سرعت کے ساتھ طے کر رہا ہے اور یقین ہے کہ اپنے بادشاہ جمجاہ کی جمہور نوازی، معارف پروری، تدبر اور عالی حوصلگی کی بدولت نوجوان حیدرآباد اپنے شاندار مستقبل کی تعمیر کر لیگا۔ اور ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست اپنے اس بلند مرتبہ کو حاصل کرے گی۔ جس کی تمنا ملک کے ہر محب وطن کے سینہ میں موجزن نظر آتی ہے۔

اہل دکن اپنے بادشاہ بلند مرتبت سے جس قدر محبت کریں بجا ہے۔ اور اس کی ذات گرامی پر جس قدر فخر کریں ہے۔ کیونکہ یہی وہ مرکزی شخصیت ہے جس نے حیدرآباد کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا۔ یہی ہماری تمناؤں کا محور اور یہی ہماری آرزوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی نے ہمیں خواب غفلت سے جگایا اور اسی کی قیادت میں حیدرآباد اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

آج حضور پرنور کی سالگرہ ہے۔ اہل حیدرآباد اپنے محبوب بادشاہ کی سالگرہ ملک کے چپہ چپہ میں منا رہے ہیں۔ ان کے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ خداوند تعالی اس بیدار مغز اور اقبالمند تاجدار کا سایہ ان کے سروں پر قائم رکھے اور حیدرآباد کو اس ذات گرامی سے بے اندازہ مستفید ہونیکا موقع عطا فرمائے۔

صبح دکن کی خوش قسمتی ہے کہ آقائے ولی النعمت کے افضال و اکرام سب سے زیادہ اس کے حصہ میں آتے رہے ہیں۔ حضرت اقدس و اعلی کی اس ذرہ نوازی کا اظہار کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ صبح دکن اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہے۔ اور اس مبارک تقریب کے موقع پر محبت و عقیدت کا یہ ناچیز تحفہ پیش کرتے ہوئے آقائے ولی النعمت کی ترقی عمر و اقبال کی دعا کرتا ہے۔

جاں نثاران ملک و مالک

احمد عارف

علی اشرف

مدیرین صبح دکن

کلام بلاغت نظام خسروِ شیریں سخن اعلیحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

غزل

(مطلع) مانگ کر اپنی مرادوں کو خدا سے لے لو
گوہرِ جود و کرم دستِ عطا سے لے لو

کہدے اتنا ہی مریضانِ محبت سے کوئی
آج تم جامِ شفا دستِ شفا سے لے لو

خونِ دل، خونِ جگر کہتا ہے پھبکا پڑ کر
سرخروئی کے لئے رنگ حنا سے لے لو

سونگھتا جاتا ہے اور کہتا ہے ارمان میرا
لخلخہ تم بھی ذرا بندِ قبا سے لے لو

دامنِ دل کو بھی ہاتھوں کی طرح کرکے دراز
کھینچ کر آج اجابت کو دعا سے لے لو

کس طرح مٹتے دمِ گھٹ کے یہ ارمانِ نفس
داد اس کی بھی ذرا جور و جفا سے لے لو

ہوگی بیماروں کو کب دارِ شفا میں صحت
چل کے تم آج ضمانت یہ دوا سے لے لو

کھل بھی جائیگی گرہ بخت کی اپنے کہ نہیں
فال اس کی بھی ذرا زلفِ دوتا سے لے لو

کہتے ہیں غنچہ و گل اور عروسانِ چمن
نکہتِ گل کو بھی تم بادِ صبا سے لے لو

آج کا دن ہے مسرت کا زہے عیدِ نہم
تہنیت غمزہ و انداز و ادا سے لے لو

(مقطع) سر سے تم چل کے تو لے ملکِ خراسان عثمان
اپنے مقصود کو موسیٰ رضا سے لے لو

غزل

از

پرنس والاشان جنرل نواب اعظم جاہ بہادر دام اقبالہ المتخلص بہ شجیع

(مطلع) بےخودی رشکِ مسیحا کی ادا سے لے لو
درد کچھ اور ہے لینا تو دوا سے لے لو

جامِ مے کیلئے ساقی کی ضرورت کیا ہے
نگہِ یار کی مستانہ ادا سے لے لو

ہو گئے ختم جفاؤں کے طریقے شاید
اک نیا طرزِ جفا ترکِ جفا سے لے لو

کیوں اُٹھیں ہاتھ بھی جب بابِ اثر بند ہوا
اب یہ قوت بھی مرے دستِ دعا سے لے لو

درد سے بھی ہوں سبکدوش کہ نوبت آئی ہے
یہ امانت بھی تمہیں اہلِ وفا سے لے لو

منزلِ عشق سے آتی ہے یہ آواز مجھے
زندگی تازہ جو چاہو تو قضا سے لے لو

موت بھی عشق میں ناکام رہی جاتی ہے
اب تمہیں کام ذرا ناز و ادا سے لے لو

اون سے جب ہم نے کہا دل کے عوض غم لیں گے
ہنس کے کہنے لگے وہ میری بلا سے لے لو

منزلِ دارِ بقا دُور ہے جانے والو
کچھ تو سامانِ سفر دارِ فنا سے لے لو

(مقطع) اوس کی رحمت کو بہانہ کی ضرورت ہے شجیع
آسرا تم بھی درِ آلِ عبا سے لے لو

غزل

از

صاحبزادہ نواب کاظم جاہ بہادر المتخلص بہ کاظم

تم مرے دل کو نہ یوں جور و جفا سے لے لو
ناز و انداز سے اور مہر و وفا سے لیلو

بیخودی میں بھی مرے منہ سے نکلتا ہے یہی
لطف چاہو تو مئے ہوش ربا سے لیلو

آگ پھولوں میں لگائی ہے یہ کس نے آخر
بھید پہلے تو ذرا بادِ صبا سے لیلو

کرگئی خونِ جگر خواب صفت آکے بہار
اسکی تعبیر ذرا رنگِ حنا سے لیلو

ایک ہی وار میں ہو جائیں گے بسمل لاکھوں
تم اگر کام کبھی تیغ ادا سے لیلو

مثلِ منصور نہ چڑھنا ہو کہیں سولی پر
تم سبق پہلے انا الحق کی صدا سے لیلو

بندگی اصل میں کہتے ہیں اسی کو کاظم
کام لینا ہو تو تسلیم و رضا سے لیلو

غزل

از

صاحبزادہ نواب ہاشم جاہ بہادر المتخلص بہ ہاشمؔ

دولتِ ہر دو جہان شاہِ ہدےٰ سے لیلو
مدح خوانی کا صلا آلِ عبا سے لیلو

دل ہے بیتاب بہت آٹھ پہر فرقت مین
کچھ تو دلبر کی خبر بادِ صبا سے لیلو

قول سے اپنے نہ پھر جائے کہین دیکھے زبان
پختہ اک عہد بتِ شوخ ادا سے لیلو

آگیا ہے وہ مسیحائے زمان قسمت سے
نیشِ دل کی دوا دستِ شفا سے لیلو

کسکو کہتے ہین محبت یہ کوئی کیا جانے
عشق کی داد ذرا اہلِ وفا سے لیلو

کیون نہ ہر مرحلۂ عشق پھر آسان ہوجائے
کام الفت میں اگر صبر و رضا سے لیلو

تم پہ کھل جائیگا سب رازِ حقیقت ہاشمؔ
درسِ علمِ نبوی شیرِ خدا سے لیلو

غزل

از

صاحبزادہ نواب بشارت جاہ بہادر المتخلص بشارت

امتحان اپنی محبت کا جفا سے لے لو
تم بھی پھر درسِ وفا اہلِ وفا سے لے لو

دل چرانے کی تمہیں فکر عبث رہتی ہے
مال میرا ہی اسے میری رضا سے لے لو

ناز بردار بھی ہو اور وفادار بھی ہے
دلِ وارفتہ مرا ناز و ادا سے لے لو

تم ہو ساقی تو پلانے کی ضرورت کیا ہے
ہوش میرے نگہِ ہوش ربا سے لے لو

جسقدر چاہو کرو جور۔ وفادار ہوں میں
دل تو پھرنے کا نہیں جان بلا سے لے لو

کشتۂ ناز کی تربت پہ چڑھانے کے لئے
پھول دو چار تو گلزارِ وفا سے لے لو

نامہ لیجانے سے قاصد ہے بشارت معذور
آج یہ کام ذرا بادِ صبا سے لے لو

غزل

از

صاحبزادہ نواب سعادت جاہ بہادر المتخلص بہ سعادت

جو کہ دو چار ہو مئے سے ہوس تر لیلو
لذت چہری نغمے کی صدا سے لیلو

ڈھونڈتے کیا ہو کہ مدت سے دل کھو بیٹھا
دل عاشق شکن زلف دوتا سے لیلو

زاہدا ایک پیالہ بھی مجھے بچا لے سے
کوئی پروا نہیں ساقی کی بلا سے لیلو

پھول ہو زندہ دلی باغ جہاں میں سیکھو
وضع آزادہ روی باد صبا سے لیلو

ہاں سعادت تمہیں حضرت کی غلامی ہے نصیب
مدعا اپنا شہ ہر دو سرا سے لیلو

غزل

از

یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد بالقابہ

نکہت زلف دوتا باد صبا سے لے لو
مستی دل نگہ ہوش ربا سے لے لو

دمبدم کس لئے دزدیدہ نظر پڑتی ہے
دل جو لینا ہے تمہیں ناز و ادا سے لے لو

بال زلفوں کے نہ بکھراؤ ابھی سے پہلے
تم اجازت کمر نازک ادا سے لے لو

جلوۂ ہستی موہوم فقط دہو کا ہے
تم فنا کا سبق ارباب فنا سے لے لو

میں کرونگا کبھی دعوی نہ وفاداری کا
قول دیتا ہوں قسم میری وفا سے لے لو

اضطراب دل عاشق کی حقیقت تو کھلی
کاش اب بھی مرا دل جور و جفا سے لے لو

عام بخشش ہے کہ حوریں بھی ہیں اور جنت بھی
جو تمہیں لینا ہے اے شاد خدا سے لے لو

غزل

از

نواب قدرت نواز جنگ بہادر المتخلص بہ قدرت

دل جو لینا ہے تمہیں مہر و وفا سے لیلو
جان لینی ہے اگر دیکھے دلاسے لیلو

حشر میں خون کا دعویٰ نہیں کرنیوالے
تم قسم اپنے شہیدانِ جفا سے لیلو

قابلِ سیرِ بہار اس دل پر داغ کی ہے
فیض کچھ تم بھی مرے باغِ وفا سے لیلو

خونِ ناحق مرے ارمان کا ہوا ہے کہ نہیں
تم شہادت کفِ ہم رنگِ حنا سے لیلو

شیخ تم کو ہی جو کوثر کی طلب تو بڑھکر
دستِ ساقی سے چھلکتے ہوئے کاسے لیلو

چاہتے ہو جو مری موت مسیحا ہو کر
سہل ہی بات ہے، تاثیر دوا سے لیلو

بزم جاناں میں رسائی نہیں مشکل قدرت
تھوڑی تائید اگر بخت رسا سے لے لو

مصرعۂ طرح ۔ گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو

بدر ۔ محمد بدر الاسلام صاحب وکیل ہائیکورٹ

مانگنا ہو تمہیں جو کبھی وہ خدا سے لے لو
گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو

تم وفا سے لے لیلو کہ دغا سے لے لو
دل مرا لیلو مگر ناز و ادا سے لے لو

یہ وہ جادو ہے کہ مارا نہیں جیتا اس کا
جان دشمن کی بھی تم مہر و وفا سے لے لو

کسطرح ٹھیک ہوں ناصح کے پریشان حواس
مشورہ تم ہی ذرا زلف دوتا سے لے لو

چشم ہوں ریز مرا خون چھپا لے تو سہی
تو ثبوت اسکا کبھی دست حنا سے لے لو

بدر میخانہ کو جانے کی ضرورت کیا ہے
ہوش کھونے کی دوا ہوش ربا سے لے لو

برق ۔ میر کاظم علی صاحب

زاہد حسن کی کیا قدر ہو بے حسن نظر
لو نظر ہم سے اگر حور خدا سے لے لو

اپنے مقسوم کا ملتا ہے جو دیتا ہے کوئی
لو نہ بندوں سے جو لینا ہو خدا سے لے لو

یاس کہتی ہے نہ لو وصل کا وعدہ ان سے
آس کہتی ہے مجھے دیکے دلاسے لے لو

دل سے نکلی ہوئی ملتی ہے دعا مشکل سے
یہ مرا دل نہیں جو ناز و ادا سے لے لو

ہے ابھی شوق جو مشق ستم آرائی کا
امتحان اور بھی پابند وفا سے لے لو

شاہ عثماں وہ سخی ہیں کہ یہ ہے مصرع طرح
"گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو"

جب نہ لینا کبھی ہستی کو ازل میں لے برق
موت کہنے لگی دے دیجئے دلاسے لے لو

بہار ۔ محمد علی صاحب

پیچ و تابی کا سبق زلف دوتا سے لیلو
مول الجھن جو ہو لینا یہ بلا سے لے لو

قلب آئینہ سا ہو گرد کدورت نہ رہے
زنگ آئینہ کا یہ اہل صفا سے لے لو

ابر رحمت ہے دکن کے لئے شاہ عثماں
گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو

مانگنا ہو جو تمہیں مانگ لو رب سے اپنے
تمکو جو لینا ہو وہ اپنی دعا سے لے لو

اپنی ہستی کو مٹانے سے جو آتا ہے مزا
لطف گر پوچھو تو یہ اہل فنا سے لے لو

بے طلب دینا دینے کا بھروسہ بھی تو ہو
دیکھو دینا ہے وہ جو پہلے صلا سے لے لو

فضل خالق ہو اگر کام بن آتے ہیں بہار
صبر کا لینا ہے گر پھل تو خدا سے لے لو

تاج ۔ سید علی احمد خاں صاحب

گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو
سبق زیست مرے شہ کی بقا سے لے لو

یہ تو ممکن نہیں دل میرا جفا سے لے لو
جان بھی دیدوں اگر ناز و ادا سے لے لو

دل مرا قبضہ سے باہر نہیں جانیکا کبھی
دام کا کام اگر زلف دوتا سے لے لو

شوق سے دست نگاریں کو کرو خون سے سرخ
کون کہتا ہے کہ یہ کام اپنا حنا سے لے لو

پوچھا پھر ناتھا ہر ایک سے میں ربث کا لطف
دل مضطر سے صدا آئی قضا سے لے لو

عشرتِ احمدؐ مرسل کے ثنا خواں ہو کر
تاجِ جنت کی سندِ شیرِ خدا سے لے لو

حامدؔ - حامد قریشی صاحب

دل ہی سب کچھ ہے لے مہر و وفا سے لیلو
پھر جو چاہو وہ مرے دست دعا سے لیلو

کام پورا ہو مرا نام تمہارا ہو جائے
جان جانے ہی کو ہے تیغ ادا سے لیلو

دل و جاں، ہوش و خرد، تاب و تواں صبر و سکوں
جس کو چاہو نگہ ہوش ربا سے لیلو

ساری دنیا ہی اک در دبھرا دل نہ سہی
دستِ خدا مجھکو زمانے کو خدا سے لیلو

آنکھیں مشتاق ہیں۔ لینا ہے اگر جان نہیں
مے دیدار سے پھر دو مرے کاسے ہیلو

لعقدر دہر میں یہ درد محبت ازاں
زندگی لٹنی ہے لٹنے دو بلا سے لیلو

دیکھو آنکھ سے پھر غنچہ و گل کو حامدؔ
اک سبق اور گلستاں کی فضا سے لے لو

حشمتؔ - محمد حبیب علیخاں صاحب

درس تسلیم و رضا آلِ عبا سے لیلو
بندگی شرط ہے جو چاہو خدا سے لیلو

دامنِ آلِ نبی سے متمسک ہو کر
نقدِ جنت شہِ لولاک لما سے لیلو

خضر بھی ڈھونڈتے ہیں نقشِ قدم کو جس کے
جادۂ حق کا پتہ راہ نما سے لیلو

کیف آ گیا ہے اگر گردشِ چشم میگوں
کارِ ساغر نگہ ہوش ربا سے لیلو

آج پھیلا لو گے امید سے دامن اپنا
گوہرِ جود و کرم دستِ عطا سے لیلو

یہ میلادِ علی ہے شہ عثماں کے لئے
خضر کی عمر عطا ہو گی دعا سے لیلو

مزرعۂ دیں ہو یا دولتِ دنیا حشمتؔ
جو خدائی میں ہے ہمنامِ خدا سے لیلو

ذکیؔ - محمد عبد السلام صاحب بی۔ اے (عثمانیہ)

چارۂ غم نہ دعا سے نہ دوا سے لے لو
اپنا درماں اسی دستِ حنا سے لے لو

فتنہ انگیزیِ محشر ہو نہیں گر منظور
دم رفتار کی لغزش پا سے لے لو

دیکھکر کھویا ہوا مجھ کو بگڑ کر بولے
دل جو لینا ہو مری زلف دوتا سے لے لو

آتی ہے کوچے سے اس کے ہی معطر ہو کر
نکہت زلف کو تم بادِ صبا سے لے لو

ہنس کے شوخی سے شہیدانِ وفا سے بولے
رنگ کچھ اور مرے رنگ حنا سے لے لو

ہو نہیں میری تمنا مرا ارمان آ ؤ
اور مری جان کو مستانہ ادا سے لے لو

ابھی آغاز ہے انجام کا کیا فکر ہے ذکیؔ
دادِ ہر حسرت دل اس کی جفا سے لے لو

رعدؔ - میرزا نادر علی صاحب منصبدار

دل لیا جان بھی اب جور و جفا سے لیلو
اور جو چاہو وہ سب ناز و ادا سے لیلو

وعدہ ایفا ہی وصل کا وعدہ تو کرو
کام انکار کا اقرار و وفا سے لو

ہے نبیؐ شہرِ علوم اور علیؑ بابِ علوم
دولت علم اسی در کی ولا سے لو

ہفت اقلیم میں ہے آصفِ ہفتم یکتا
صلۂ مدح و ثنا شہ کی ثنا سے لے لو

شاہ دریائے کرم ابرِ سخا ہے دُربار
گوہرِ جود و کرم دستِ عطا سے لو

رعدؔ - ناممکن و ممکن کا ہے قولِ فیصل
کام تقدیر کا تدبیر و دعا سے لے لو

رفیقؔ - محمد عبد الغفار صاحب اہلکار فزیکل ٹریننگ کالج

درسِ تسلیم و رضا شاہِ ہدا سے لیلو
استقامت کا صلہ اپنے خدا سے لیلو

آبرو کے ہو اگر کون و مکاں میں طالب
تو درِ علم و عمل بحرِ صفا سے لیلو

چمنستانِ ارم دولت دانیال و حشم
جو بھی لینا ہے شہِ ہر دو سرا سے لیلو

گر موافق ہو تقدیر تو تدبیر عبث
جو مقدر سے ملے صبر و رضا سے لیلو

درِ سرکار سے جاتا نہیں محروم کوئی
گوہرِ جود و کرم دستِ عطا سے لیلو

غیر کے سامنے پھیلاؤ نہ دامن اپنا
جو ضرورت ہو رفیقؔ اپنے خدا سے لے لو

ذرہؔ - دلدار علی صاحب

جان حاضر ہے میری ناز و ادا سے لیلو
تم یہ قربان نگہ ہوش ربا سے لیلو

دل لیا جان بھی لو دین بھی ایمان بھی لو
سب یہ حاضر ہے تم اے جان بلا سے لیلو

جب دوئی دل سے مٹے گی تو مٹینگے جھگڑے
مدعا اپنا ہر ایک صدق و صفا سے لیلو

مانگ لو ہو طلبِ دولت دارین اگر
میرے سرکار رسول دو سرا سے لیلو

پایا جس نے بھی دربار سے پایا ذرہؔ
تم اسی در سے اسی دست عطا سے لو

صارمؔ - قاضی عبد الصمد صاحب سیوہاروی

درِ مقصود زرِ مہر و وفا سے لیلو
کشورِ قلب کو شمشیر ولا سے لے لو

ہے مسرت کا سماں آج تو ایک جام شراب
زاہد و دست بت ماہ لقا سے لے لو

مجکو کچھ عذر نہیں دل ہے یہ حاضر لیکن
لطف سے ناز سے انداز و ادا سے لیلو

ہے زمانہ شہ عثمان کا زمان راحت
اپنے چاہو تو قسم خلق خدا سے لے لو

جو مقدر میں ہے ملنا ہے وہی اے صارم
خواہ لو صدق سے اور خواہ دعا سے لیلو

عالی۔ راجہ نرسنگہ راج بہادر خلف راجہ گردھاری پرشاد محبوب نواز ونت باقی

خضر کی عمر تم اے شاہ خدا سے لیلو
مژدۂ سالگرہ سب کی دعا سے لیلو

جام لینا ہو تو مستانہ ادا سے لے لو
درس مستی نگہ ہوش ربا سے لے لو

مژدۂ دہر میں کیا اور عمل کی حاجت
ثمرۂ ہر دو جہاں صدق و صفا سے لیلو

پھر کہاں پاؤ گے عثماں سا غنی اور فیاض
گوہر جود و سخا دست عطا سے لے لو

دل بھی صدقے ہے جگر بھی ہے تصدق تم پر
ناز سے ایک کو اور ایک ادا سے لے لو

سونگھنا ہو چمن خلق کی خوشبو جو تمہیں تو
چاکلے دو پھول مزار شہدا سے لے لو

کون دانا ہے بجز آصف سابع عالی
اپنی نوبت تم اسی ظل خدا سے لے لو

غنی۔ سید محمد غوث الدین صاحب ناظم عدالت ضلع گنجوٹی

کاسۂ مونس فریاد گدا سے لے لو
گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو

قامت یار سے تم شاد بھی بیگانہ رہا
نقد جانان کا پتہ زلف رسا سے لیلو

ہنستے ہنستے لئے جاتے ہو کہاں دل صاحب
جان بھی حاضر ہے اوسی ناز و ادا سے لے لو

ابھی کمسن ہیں مرا لیکے کرینگے دل کیا
ہوکے پھر آپ جوان نام خدا سے لیلو

انکی تاکید ہے عشاق کو ہوشیار رہو
بازلف اونکی تو عوض باد صبا سے لیلو

خون عاشق کا سدا دیگا وفا کی تعلیم
بیوفائی کا سبق رنگ حنا سے لے لو

دوستو سالگرہ شاہ دکن کی ہے آج
اب مرادیں دلی غنی کی دعا سے لے لو

عابد۔ عابد حسین صاحب

کیا غرض غیر سے خود ظل خدا سے لیلو
گوہر جود و کرم دست عطا سے لیلو

اٹھ کے پہلو سے چلے ہو دل عاشق لیکر
جان بھی تو نگہ ناز و ادا سے لے لو

تا دم مرگ تمھارا ہی پڑھیں گے کلمہ
مصحف رخ کی قسم اہل وفا سے لے لو

خواب میں دیکھ کے دام اُن سے کیا میں نے بیاں
کہا تعبیر مری زلف رسا سے لے لو

کوچۂ زلف گرہ گیر سے نکلے گا نہ دل
عہد و پیماں یہ گرفتار بلا سے لے لو

شاہ نعم البدل اُس لال کا پائیں عابد
دُر مقصود تہ دل کی دعا سے لے لو

عالی۔ رشید الدین خان صاحب

ناز سے چاہے اُسے چاہے ادا سے لیلو
دل جو دینا ہو تمہیں اپنی رضا سے لیلو

دیکھنی ہو جو تمہیں سنت جنوں کی شوخی
کوئی ٹکڑا مرے دامان قبا سے لیلو

بن تمہیں دیکھ کے پھر ہوش میں آؤں نہ کبھی
کام اتنا نگہ ہوش ربا سے لے لو

گل تو کیا میرے چمن میں کلی کا نشاں بھی نہیں
جھوٹ سمجھو تو قسم باد صبا سے لے لو

چٹکیاں دل میں لو زہر بھری باتوں سے
جان لینا ہی اگر ہے تو بلا سے لے لو

ہم ہو کچھ تو رہے نام نشیمن باقی
کوئی تنکا بھی جو ملجائے ہوا سے لے لو

ہاتھ پھیلاتے ہو کیوں غیر کے آگے عالی
تم کو لینا ہو جو کچھ اپنے خدا سے لے لو

علیٰ۔ محمد علیٰ صاحب

مقصد دل جو تمہارا ہے خدا سے لیلو
خاک ساری سے اطاعت سے دعا سے لے لو

جان دینے کو میں راضی ہوں قضا سے لیلو
خیر عادت ہے جفا کی تو جفا سے لے لو

صحن گلشن کو ہے جانیکی ابھی کیا جلدی
اونکے آنیکی خبر پہلے صبا سے لے لو

کعبۃ اللہ کو چلو چھوڑو صنم خانہ کو
جو بتوں سے نہیں ملتا وہ خدا سے لے لو

قصر عثمان سے یہ آتی ہے صدا اے علیٰ
گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو

فرید۔ محمد فضل اللہ خان صاحب منصبدار آصفجاہی

کوئی قاصد نہ سہی کام صبا سے لے لو
کچھ تو نالوں سے اور کچھ آہ رسا سے لیلو

جان لینے کیلئے ایک نظر کافی ہے
دل اگر لینا ہے تمکو تو ادا سے لے لو

وقت اچھا ہے یہی کام سنوارو اپنے
کچھ جوانی میں دعا اہل وفا سے لے لو

بے طلب دینا ہے اللہ کی کریمی دیکھو
کچھ کمی ہے تو یہ فرمایا "دعا سے لے لو"

شربت دید پلا دو جو مجھے ذبح کرو
سر کو زانو پہ رکھو جان بلا سے لے لو

فقر پہ فخر کرو ناز کرو فاقہ پہ
درس یہ ابن علیؓ شیر خدا سے لے لو

کوئی خالی نہیں جاتا ہے درِ عثمان خلد اللہ ملکہٗ سے
تم جو چاہو سو فرید ظلِ خدا سے لے لو

قویؔ ۔ محمد عبدالقوی صاحب

تم اگر کام کبھی تیغ جفا سے لے لو
پہلے اقرارِ وفا اہلِ وفا سے لے لو

بیکسی عشق کا سرمایۂ ہستی ہے یہی
تحفۂ لختِ جگر آہِ رسا سے لے لو

اسکا ہر ذرہ ہے اک آئینہ خانے کی مثال
بس نبہ یار کا نقش کف پا سے لے لو

واعظو تمکو بھلا کیا ہے غرض رندوں سے
اپنی بخشش کا تو پروانہ خدا سے لیلو

یہ دھرا ہے دل بے تاب تمھارے آگے
ہاں مگر اک بار ذرا ناز و ادا سے لیلو

گر یقین ہے کہ یہ عقبیٰ میں بھی ساتھ آئیگا
جو بھی لینا ہو تمہیں دارِ فنا سے لے لو

دیکھو بیٹھا ہے قویؔ منتظرِ چشم کرم
کام آئیگی دعا اپنے گدا سے لے لو

قدرتؔ ۔ قدرت علی صاحب وکیل درجہ اول آصف آباد

اپنے ہر کام میں امداد خدا سے لے لو
مہر و الفت کا سبق میری وفا سے لیلو

دینے والے کو خدا دیتا ہے خود بے مانگے
لینا جو کچھ ہے تمہیں حق کی رضا سے لیلو

دست حاتم شہ عثماں کو خدا نے بخشا
گوہر جود و کرم دست عطا سے لیلو

شادماں ہو کے یہ کہتے ہیں چمن میں غنچے
جام صحت کا ذرا دستِ شفا سے لے لو

محسنؔ ۔ محمد محسن خان صاحب

گوہر جود و کرم دست عطا سے لیلو
بارش دام و درم ابر سخا سے لیلو

میں وہ عاشق ہوں کبھی اُف بھی نہ نکلے منہ سے
سر بھی گر کاٹ سکے تم تیغ جفا سے لیلو

دستِ نازک میں رچی رہتی ہے مہندی ہر دم
شوخی دل کا پتا رنگ حنا سے لے لو

زندگی بخش دلِ مردہ ہے ذکر مولا
عمرِ جاوید تم اس آب بقا سے لے لو

صبحدم وقت قبولی دعا ہے محسنؔ
اب مراد اپنی دعا کر کے خدا سے لے لو

نوازؔ ۔ محمد نوازش حسین صاحب

دل مرا پہلے تو مستانہ ادا سے لیلو
جان بھی پھر نگہ ہوش ربا سے لیلو

جان لینے کے لئے تیغ کی حاجت کیا ہے
ناز سے، عشوے سے، شوخی سے، ادا سے لیلو

ان جفاؤں کی کوئی حد بھی ہے درسِ عبرت
میری مٹتی ہوئی تصویرِ وفا سے لے لو

خواب میں دیکھا ہے گر بنت عنب کو واعظ
اس کی تعبیر کسی مست ادا سے لے لو

جان کس طرح رہِ حق میں دیا کرتے ہیں
یہ سبق واقعۂ کرب و بلا سے لے لو

توبہ کر لینا ہے تو کر لینا کسی دن تم نوازؔ
دے جو کچھ پیر مغاں دست عطا سے لے لو

ہرمزؔ ۔ شیخ ہرمز صاحب

مشورہ کر کے ذرا زلف رسا سے لے لو
دل سے بیزار ہوں میں آہ بلا سے لے لو

جس طرح تم نے لیا ہے دلِ ناداں میرا
جان مضطر بھی اس انداز و ادا سے لیلو

ہر طرح شافیٔ مطلق پہ بھروسہ رکھو
جب دوا سے نہ چلے کام دعا سے لے لو

گر ملاقات بت پردہ نشیں سے منظور ہے
تو الگ ایک مکان ارض و سما سے لے لو

دہر میں شمس و قمر اور بنانے کے لئے
خاک اس شوخ کی نقش کف پا سے لے لو

جب رہ کوچۂ گیسو میں قدم رکھتا ہے
سر پہ سو آفتیں گر آئیں بلا سے لے لو

بات تو جب ہے کہ اس بزم سخن میں ہرمزؔ
داد تم اپنی غزل کی شعرا سے لے لو

سید یوسف علی یوسفؔ منصبدار سب جسٹرار یادگیر

ہاتھ پھیلا کے مراد اپنی خدا سے لے لو
تمکو منظور جو لینا ہو دعا سے لے لو

ہادیٔ راہِ ہدایت ہیں شہنشاہ دکن
دین و ایماں کا سبق ظل خدا سے لے لو

اک نظر دیکھ کے پھر مجھکو بنا دو بیخود
امتحان پھر نگہ ہوش ربا سے لے لو

منزل راہ فنا پر ہے حیات جاوید
اس کو لینا ہو اگر اس کی قضا سے لے لو

شوخیٔ چشم فسونگر پہ فدا ہے دل بھی
جان بھی نذر ہے لو ہنس کے ادا سے لیلو

فاتحہ پڑھنے سوئے گور غریباں آکر
درسِ عبرت بھی ذرا یاں کی فضا سے لیلو

راہ ظلمات میں پھرتے ہو بھٹکتے یوسفؔ
لعل دل ڈھونڈ کے گیسوئے دوتا سے لیلو

قطعۂ تہنیت جشن سالگرہ مبارک

از
نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

شاہ کی سالگرہ آئی ہے رحمت بنکر ‖ درِ مسرت کے کھلے ہیں درِ دولت بنکر

ہر زباں پر ہے دعا ظلِ ہمائے اقبال ‖ فرقِ اقدس پہ رہے پرچمِ نصرت بنکر

دیگر

مرکزِ حشمت و اجلال شہ عثماں ہیں ‖ چشمۂ فیض ہیں بحرِ کرم و احساں ہیں

حکمراں مایۂ نازش ہیں ہزاروں لیکن ‖ ناز جن پر ہے سلاطین کو یہی سلطاں ہیں

کمبل پوش رعایا کا خیر خواہ فرمانروا

چند بصیرت افروز حقائق

از جناب سید عبدالقادر جیلانی صاحب بی اے (عثمانیہ)

جتنے کہ تشنہ لب تھے وہ سیراب ہوگئے
دامن وہ بحر کا ہے تو موج عطا کا ہاتھ
(علامہ کیفی چریا کوٹی)

"آمر و مامور۔ حاکم و محکوم۔ مالک و مملوک۔ فرمانروا اور فرمانبردار۔ یہ قدرتی تعلقات ہیں جو بنی نوع انسان میں خالق ارض و سماء نے قائم کر رکھے ہیں ان ہی تعلقات کی خوشگواری پر دنیا کا امن و چین دنیا کی راحت، اور دنیا کا آرام منحصر ہے۔ ان ہی قدرتی تعلقات میں وہ تعلقات بھی شمار ہوتے ہیں جو سلطنت آصفیہ کے تاجدار اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع اور رعایائے آصفی میں باہم قائم ہیں جن کی خوشگواری سے یہاں کی رعایا پرایا امن و چین اور عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہے۔"

یہ وہ شاہ پرستانہ تاثرات ہیں جنکا اظہار شہریار دکن کے جشن سیمیں کے سے مبارک و مسعود موقعہ پر سلطنت ابد مدت کے ایک پختہ کار انشا پرداز نے کیا تھا۔

"تاریخ شاہد ہے کہ بادشاہوں نے اپنے خود مختارانہ حقوق بڑی جدوجہد انتہائی مشکل اور بیشتر صورتوں میں خون کی ندیوں کے بہنے کے بعد رعایا کو عطا کئے ہیں اور پھر بھی انکی یہ ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان اختیارات کو کم کیا جائے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو انکو کسیطرح کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ لیکن یہ خصوصیت صرف ریاست حیدرآباد کے لیے مختص ہے کہ خود تاجدار نے بلا مانگے اپنی طرف سے ہر قسم کے حقوق عطا کئے ہیں اور ان کے اختیارات کو وسیع کرنے اور موثر بنانے کی کوشش خود تاجدار ہی کی طرف سے جاری رہتی ہے۔"

"دنیا کی تاریخ میں موجودہ تاجدار دکن ہی اعلان فرماسکتے ہیں کہ رعایا کو بے مانگے بڑے سے بڑے حقوق عطا کئے جارہے ہیں ورنہ عوام نے ہر جگہ اور ہر ملک میں ہزارہا مصیبتوں اور بے انتہا قربانیوں کے بعد مدت ہائے مدید میں تھوڑے تھوڑے حقوق حاصل کئے ہیں۔"

"اس ریاست کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنی رعایا کی زندگی کو بہتر بنانے اور اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے فوری تدابیر اختیار کی ہیں۔ ایک خیر خواہ عوام بادشاہ اپنے ماتحتوں کے اعمال کی بالراست نگرانی کر رہا ہے۔"

مذکورہ تاثرات چند مشاہیر ہند کے ہیں جو انھوں نے دور عثمانی میں راعی و رعایا کے تعلقات پر ظاہر کیے ہیں۔

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ ہمارا بادشاہ امور سلطنت کی انصرامی ہمہ گیریوں کے قطع نظر اکثر و بیشتر ان غریب اور پریشان حال طبقات کے حقوق و مراعات پر نظر غائر رکھتا ہے جو اسکی ان مربیانہ عنایات و ہر ساعتی شفقتوں کی بنا پر اس کی ذات قدسی صفات کے لیے بہ وقت ضرورت اپنے گرم خون کا آخری قطرہ تک بہانے تیار ہے۔ اب ہم فرامین خسروی کی روشنی میں اس حقیقت حال کی وضاحت کے لیے قارئین کرام کی خدمت میں چند ٹھوس حقایق پیش کریں گے جن کے مطالعہ سے اعلیٰحضرت کی ہمدرد نواز و غمگسار شفقت کا اندازہ لگ سکے گا۔

عفو و درگزر کی لاثانی مثال

عام طور پر یہ بات زبان زد خلائق ہے کہ بادشاہ جس درجہ رحم دل ہوتا ہے اسی درجہ غصیلا بھی۔ بادشاہ کی ذات اعلیٰ سے قطع نظر عامی انسانوں میں بھی یہی جذبات کار فرما نظر آتے ہیں۔ یہ ایک فطری تقاضا ہے۔ غصّہ کے

عالم میں انسان جو بھی کر بیٹھتا ہے اس پر بالآخر پچھتاوا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ بالعموم انسان پر غصہ کا جذبہ اس وقت طاری ہوتا ہے جبکہ کسی فریق مخالف یا ثالث کی جانب سے غصہ آور فضا پیدا کی گئی ہو اس لحاظ سے اس نوع کا غصہ قابل ورگزر ہوتا ہے۔ ان حالات وواقعات کی روشنی میں ہمارے بادشاہ ذیجاہ کی گراں بہا شخصیت کا مطالعہ کیجئے جو فی الحقیقت سرتاپا صبر و تحمل کا نمونہ ہیں آپ کے تدبر و فراست کا یہ عالم ہے کہ آپ کسی فرد بشر کو محض اس کی فلاح و بہبود کے لیے قبل از وقت متنبہ کر دیتے ہیں لیکن تنبیہ و ہدایت اس طور پر کہ فرد مذکور کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچنے پائے۔ یاد ہوگا کہ ۳۲ھ میں مہیرم کی رجمنٹ کے چند سپاہیوں نے اس نوع کا شورشانہ اقدام روبہ عمل لایا تھا کہ وہ ہم لوگوں کی نظروں میں قطعی طور پر ناقابل عفو قرار پاتا تھا لیکن خسرو دکن کی مربیانہ کرم اور ہمدردانہ برتاؤ اس فرمان خسروی میں جلوہ فگن ہے جو غرہ ذیحجۃ الحرام ۱۳۳۲ھ کو اس باب میں صادر کیا گیا تھا ارشاد خسروی ہے:۔

"چند روز قبل مہیرم کی رجمنٹ کے چند سپاہی جو اپنی شکایت کو ایک شورش کی شکل میں لیکر میرے ہاں تک چلے آئے تھے جس کی پاداش میں صرف معدودے اشخاص کو مقتضائے وقت کے لحاظ سے جو کچھ سزا دی گئی تھی اور سرکاری ڈیوڑھیات پر سے ان کے پہرہ جات برخواست کردئے گئے تھے ان کو میں نے صرف اسی خیال سے معاف کر دیا کہ یہ لوگ قدیم سے میری ریاست اور میرے اسلاف کے خیر خواہ او رجان نثار رہے ہیں۔ نظر براں حکم دیا جاتا ہے کہ معتوب شخاص کو پھر ان کے پیشتر کے خدمات پر بحال کر دیا جائے اور حسب عادت قدیم ان کے پہرہ جات سرکاری ڈیوڑھیات پر قائم کردئے جائیں علاوہ اس کے چند روز قبل ان کے ماہوارات میں مصلحت وقت کے خیال سے جو کم و بیشی ہوئی تھی وہ صرف ان کے دیرینہ وفاداری و خیر خواہی کے لحاظ سے فسخ کر کے ان کے اصلی ماہوارات ان پر پھر بحال کر دئے جائیں"

رعایا کی ضرورتوں کا عملی احساس

رعایا کے لابد ضروریات کی تکمیل کا شہریار دکن کو جس درجہ خیال ہے اسکا اندازہ فرمان مبارک مرقومہ ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ کے مطالعہ سے قائم ہو سکتا ہے جس کے پیش رفت میں مرقوم ہے:۔

پیش گاہ ملازمان اقدس واعلیٰ سے اپنی عزیز رعایا کے آرام و آسایش کے ذرائع میں واجبی سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے مختلف مقامات ممالک محروسہ سرکار عالی کی مقامی ضروریات کی تکمیل کے واسطے بطور یادگار دورۂ بندگان حضرت مستقل انتظام کرنے کے لیے بکمال مرحمت سلطانی و مکارم خاقانی پندرہ لاکھ روپیہ مخصوص کئے جانے کی نسبت فرمان مکرمت نشان مرقومہ ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ جو شرف صدور لایا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

فرمان

"حال میں جبکہ میں نے ممالک محروسہ کا دورہ ختم کیا اسوقت سے خیال کر رہا ہوں کہ جن مقامات پر میرا قیام ہوا وہاں اس واقعہ کی مستقل یادگار قائم کرنیکا سب سے عمدہ طریقہ کیا ہوگا۔ اب کامل غور کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو کوئی کام اس کے متعلق کیا جائے وہ اس بنا پر ہونا چاہئے کہ میری عزیز رعایا کے آرام و آسایش کے ذرائع میں واجبی سہولتیں پیدا کی جائیں۔

پینے کے لیے صاف پانی کا مہیا کیا جانا اور ایسے ہی دوسری مقامی ضرورتیں جن کا مجھے اثنا ر دورہ ذاتی مشاہدہ کی بنا پر علم ہوا ہے انکی تکمیل کے واسطے مستقل انتظام ضروری ہے اس قسم کے کاموں کے لیے میں حکم دیتا ہوں کہ فی الفور پندرہ لاکھ روپیہ حسب تفصیل ذیل مخصوص کئے جائیں۔

۱۔ منجانب دیوانی ۔ ۵ لاکھ۔

۲۔ منجانب صرفخاص ۔ ایک لاکھ

۳۔ منجانب لوکلفنڈ ۔ ۹ لاکھ

اور صدر اعظم بمشورہ صدرالمہام فینانس فوراً میرے اس حکم کی تعمیل میں ضروری کارروائی شروع کردیں اور رفاہ عام کے ایسے کاموں کے لیے جو وہ مناسب سمجھیں خاص مقامی ضرورتوں کو پیش نظر رکھکر رقوم معین کردیں۔"

مجالس رقص و سرود کی موقوفی

اب فرمان مبارک مصدرہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ملاحظہ کیجئے جو انعقاد مجالس رقص و سرود حین دورہ عہدہ داران سرکاری کے امتناع کے بارہ میں ہے۔ ارشاد عالیہ ہے:۔

"مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ سرکاری عہدہ دار جب کبھی دورہ کرتے ہیں

تو اس موقع پر رقص و سرود کی محفل گرم رہا کرتی ہے اور یہ افعال قبیحہ انکے تزک و احتشام کا باعث اور دورہ کا جزو لاینفک بنجاتے ہیں جس سے پبلک پر برا اثر پڑتا ہے اور اصل غرض دورہ کی مفقود ہو جاتی ہے لہذا انہیں امور کو مدنظر رکھکر حکم دیتا ہوں کہ آیندہ سے اس قسم کے ناشایستہ حرکات یک تخت موقوف رہیں اور کوئی عہدہ دار دیدہ و دانستہ خلاف ورزی حکم کریگا تو وہ قابل بازپرس سمجھا جائے گا۔"

ملاحظہ کیا آپ نے! ہمارے بادشاہ ذیجاہ کو رعیت کے آرام و بہبود کا کس درجہ خیال ہے کہ آپ نے عہدہ داران سرکار عالی کے منعقدہ مجالس رقص و سرود کو اپنے فرمان کے ذریعہ یک بخت موقوف کرا دیا جن کے انعقاد پذیری میں نہ معلوم یہاں کی کمبل پوش رعایا کو کن کن مصائب اور مواتات کا سامنا کرنا پڑتا۔ فی الحقیقت رعیت کے لیے اعلیحضرت کا متذکرہ الصدر فرمان ایک اجر عظیم ہے جس کے صلہ میں رعیت کا ہر فرد بشر ذات اقدس کیلئے وفاشعارانہ قربانیوں و وفادارانہ جاں نثاریوں پر ہر لمحہ آمادہ ہے۔

بیگاری کی مسدودی

فرمان مبارک صادر شدہ یکم ماہ شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ در بارۂ موقوفی طریقہ بیگار در ممالک محروسہ سرکار عالی بہ تقریب سالگرہ مبارک۔

"ہمارے ممالک محروسہ میں بیگار کا جو طریقہ ابتک جاری تھا اسکو میں اپنی سالگرہ کی تقریب میں یک تخت موقوف کرتا ہوں کیونکہ اس سے رعایا کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور آیندہ سے حکم دیتا ہوں کہ جو کوئی اسکی خلاف ورزی کریگا وہ مستوجب سزا سمجھا جائے گا۔"

اصلاح حال کا گہرا احساس

محکمہ جات سرکاری میں کام سرعت سے چلنے اور عہدہ داران کے پابندی وقت کے ساتھ حاضر ہو کر تن دہی سے بلا تعویق اپنی مفوضہ خدمت بجالانے و نیز نظم و نسق کی تنقیح و اصلاح کے متعلق صادر شدہ فرمان مبارک مرقومہ ۸ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ حسب ذیل ہے:۔

"اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ پایۂ صداقت کو پہونچ چکا ہے کہ ہمارے ممالک محروسہ میں جتنے بڑے یا چھوٹے محکمہ جات ہیں ان میں جیسا کہ کام سرعت سے چلنا اور جس طرح سے عہدہ داران متعلقہ وقت پر آکر تن دہی سے اپنی مفوضہ خدمت انجام دینا چاہئیے یہ بالکل مفقود ہے جس کی وجہ سے ایک طرف مقدمات معرض التوا میں پڑے ہوئے ہیں دوسری طرف تساہل اور غیر حاضری کی وجہ کام میں بے ضرورت تعویق واقع ہو رہی ہے لہذا اس امر کو پیش نظر رکھکر میں حکم دیتا ہوں کہ آیندہ سے ہر صیغہ و محکمہ سے ششماہی رپورٹ بتوسط افسر بالادست باب حکومت میں پیش ہوا کرے اور وہاں سے عرضداشت معہ خلاصہ میرے ملاحظہ میں پیش ہو تاکہ مجھے معلوم ہو کہ کتنے عہدہ دار وقت پر حاضر ہو کر کس قدر کام کس عرض مدت میں انجام دئے اور کتنے غیر حاضر رہے اور کتنے رخصت پر رہے اور کتنے غیر معمولی طور پر رخصت حاصل کئے۔ اس کے سوا آیندہ دارالسلطنت کی حد تک میں گاہ گاہ (اچانک طور پر) ہر صیغہ و محکمہ میں خود آکر کام کی تنقیح کیا کروں گا گو اس سے بحث نہیں کہ نظم و نسق کے ہر شعبہ اور ہر پہلو پر میری نظر اس وقت کہاں تک ہے اور اندرونی و بیرونی اثرات و اخبار سے میں اس وقت کس درجہ باخبر ہوں بلکہ اس کا دایرہ میرے ہاں دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے جسطرح سے کہ واقعات دنیا رنگ بدل رہے ہیں۔ الحاصل یہ زمانہ ایسا نہیں ہے کہ اڈمنسٹریشن (نظم و نسق) میں کوئی خرابی پیدا ہو تو اس سے چشم پوشی اختیار کی جائے اور ملک کی فلاح و فوز میں اگر کسادبازاری ہو تو اس سے تجاہل برتا جائے۔ بلکہ ہمکو چاہئیے کہ اس کی درستی کی طرف اپنی ساری قوت کو صرف کردیں اور دنیا کو بتا دیں کہ ہم بھی اپنے میں ایک حد تک ایسے امور کے بام ارتقا تک پہونچانے میں صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کا ثبوت ہم اپنے اعمال سے دیتے ہیں نہ کہ زبانی جمع و خرچ سے جس کی وقعت مدمقابل کے ہاں تار عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے۔"

دیکھا آپ نے! ذات اقدس و اعلی کو نظم و نسق کی تنقیح و اصلاح کا کس درجہ احساس ہے حکومتی مشنری کی درستی کے لیے بندگان عالی اس لیے خواہاں ہیں کہ اس سے رعایا برایا کو ذرا بھی تکلیف نہ پہونچنے پائے اور اس کے امور متعلقہ احسن طور پر انجام پائیں رعیت سے متعلق امور کا اس قدر گہرا احساس شاید ہی کسی اور مطلق العنان بادشاہ کے دل میں پایا جاتا ہو!

حضور والا نے اپنے تابندہ دور حکومت میں حسن و خوبی اور تدبر و فراست سے عمال حکومت کے اعمال و افعال کی درستگی اور رعیت کے جائز و لابد ضروریات کی فوری بابجائی کے جانب اپنی توجہ عالیہ مبذول کی ہے

از علامہ عبداللہ عمادی رکن دارالترجمہ

یارب بہ فرّ دولتِ شاہنشہِ دکن — آرایش خلافتِ عظمیٰ شتاب باد

آبے کہ رفتہ باز درآید بجویبار — ملکِ قدیم از سرِ نو فتحیاب باد

فرقِ مبارکش کہ بہ عرشِ برین رسد — در سایۂ جنابِ رسالتمآب باد

نجمِ سعادتش کہ جہاں روشن است ازو — بر آسمانِ ہند و دکن آفتاب باد

بختِ بلند مظہرِ انوارِ مصطفیٰ — قلبِ سلیم جلوہ گہِ بوتراب باد

اخلاف او بدولت و اقبال ہر یکے — فیروزمند و نامور و کامیاب باد

قلبش کہ گوہریست ز دریاے معرفت — از سلسبیل رحمتِ حق فیضیاب باد

حسنِ ازل نقاب برخ برکشیدہ است — بر روے او جمالِ ابد بے نقاب باد

در دلسانِ صدق عمادی دعاے اوست

یارب دعاے صدق و صفا مستجاب باد

قصیدہ در مدح شہنشاہِ سخن تاجدارِ دکن حضرت آصفِ سابع خلد اللہ ملکہٗ

(از الحاج مولوی عبد اللہ خان صاحب کامل)

خوشا دمیکہ لبش محوِ حرف رانی بود
کہ جیبِ سامعہ پُر از دُرِ معانی بود

زخندۂ گل و بلبل چہ ذوقہا پیدا است
کہ بر چمن اثرِ کشتِ زعفرانی بود

کجاست آں دلِ پُر شوق کو بیانِ جرس
جہانِ قافلہ را میرِ کاروانی بود

نگاہِ لطفِ تو تا بار یابیم بخشید ؛
دماغ و دل ہمہ مصروفِ نکتہ دانی بود

زگردِ بادِ مخالف فشاندہ ام داماں
مرا ز لطفِ تو تائیدِ آسمانی بود

چساں بہ سوخت دل و جانکہ سخت حیرانم
شرارۂ کہ ازاں آتشِ نہانی بود

زسینہ تا بہ لب آہے نیامدست بہ شب
کہ در تنم چہ قدر ضعف و ناتوانی بود

دریغ مایۂ عمرم شدست صرفِ فنا
ز دست رفت متاعیکہ جاودانی بود

پئے قصیدہ دلا مطلعِ دگر برخواں ؛
چہ مطلعیکہ بگویند مہرِ ثانی بود

بہ پیرِ صومعہ شب عالمِ جوانی بود ؛
کہ شیشہ در بغل و چہرہ ارغوانی بود

بہ بزم "آصفِ سابع" کہ دوشش زہرۂ چرخ
ز رقصِ مشتری اش مست نغمہ خوانی بود

پیالہ ماہ خمش مہر و بادہ خوار نجوم
ز سلسبیلِ مَیَش در مزاج ثانی بود

چمن بہ بست پری حور آلشاری کرد
"شہا" بہ باغِ تو رضواں بباغبانی بود

بوصفِ زلف و لبِ تو بہ سنبل و سوسن
چہ پیچ و تاب و چہ جوشش چہ تر زبانی بود

تراز کانِ ملاحت نصیبِ وافر ہست
چہ سود شوقِ صباحت کہ ذوقِ آنی بود

بہ رونمائی تو آئینۂ سکندر ساخت
گرفتہ جام بکف جم بہ میزبانی بود

چہ رنگہا تو بہ نقش و نگارِ خودبسنی ؛
کہ غازہ بہ رخِ نازِ کلکِ مانی بود

پریدہ رنگِ جہاں از حیائے رخسارت
ز روئے لالۂ صحرا و بوستانی بود

ز تیرِ نازِ تو ہر مہوشی است سفتہ جگر
بقوسِ ابروئے تو تیرِ جاودانی بود

ترا نواخت خدا در ازل بہ تاجِ شہی
بہ فرقِ خادمِ تو افسرِ کیانی بود

بہ پیشِ جودِ تو عمّاں بہ قطرہ نہ رسد
نصیبِ تو بہ ازل دادن و دہانی بود

ہمیں بہ جود و دلیری ز حاتم و رستم
ہر آنچہ گفت کسے حرفِ داستانی بود (ق)

غرضکہ برشتۂ گیتی کہ تانہ خود دمیت
بجامِ تو کہ گرفتارِ سرگرانی بود

کشید جامِ حیات بچشمۂ حیواں
رسید خضر بہ عمریکہ غیرِ فانی بود

زمیں بہ یمنِ قدومت بہ آسماں چربید
بہ پست رفت ہراں کو بلند شانی بود

رسد بہ کنگرۂ بامِ تو نہ بامِ خیال
کمینہ زینہ او فرقِ فرقدانی بود

کشودۂ چہ معمّا بناخنِ دانش ؛
شدست راز ہویدا کہ پُر نہانی بود

ز حکمتت سبق آموز حکمتِ لقماں
ز دانشِ تو ارسطو بہ ترجمانی بود

فگندۂ بہ جہاں از نشیدِ خویش طرب
حریرِ خامۂ تو دفترِ اغانی بود

بہ رزمِ ادہمِ تو بود یا کہ صاعقہ
برائے خصمِ تو یا مرگِ ناگہانی بود

ز اوہمِ غزیتِ عجم بخوفِ ہلاک
ز سیفِ ہندِ تو لرزندہ سیستانی بود

قدر بہ حکمِ تو در رزم نطع می گسترد
قضا بہ حکمِ تو مصروفِ تیغ رانی بود

چو آبِ خنجرِ تو آتشِ ہلاک افروخت
علم بہ شعلۂ او صرفِ بادبانی بود

بروئے کاغذِ میداں بہ منشیِ توقیع
ز خونِ خصم مداد و قلم سنانی بود

سرِ عدو و حُسامت چو گوی و چوگانے
سنان و چشمِ عدو میل و سرمہ دانی بود

چو زد فلک بہ زمیں فیلِ تو ز خرطومش
زمین و فوجِ عدو پیکرِ دُخانی بود

سگت گرفت با آسماں بپنجۂ شیرنیاں
تو گوئی سنیلِ دماں لقمۂ دہانی بود

قلم بہ نسبتِ مدحت ز سر فتاد و بگفت
ز مردِ منزلِ ایں راہ کئے توانی بود

بیا بیا بہ دعا چہرہ ارغوانی کن
دعا چو مسئلہ بود و ثنا مبانی بود

ز بہرِ جلالت و ابہت خدا بعمرِ دراز
نگاہدار ز ہر آفتش کہ دانی بود

زبانِ خامۂ کامل دُرِ معانی سفت
کہ رشک خامۂ خاقانی و فغانی بود

چند معرکۃ الآرا تصانیف
کتب خانہ ہذا میں ہر قسم کے اردو، فارسی، اور عربی کے علمی و ادبی کتب کے علاوہ
مدارس کیلئے ہمہ اقسام کے آلات تعلیمی موجود ہیں اور آرڈر پر
ہر قسم کے کتب فراہم کئے جاتے ہیں۔
تمدن عرب
مصنفہ ڈاکٹر گستاؤلی بان مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم کا بے مثل کارنامہ جس کو
آنریبل نواب حیون یار جنگ بہادر چیف جسٹس ہائیکورٹ کے عالمانہ
مقدمہ کے ساتھ شایع ہو چکی ہے
قیمت ۵ عـہ
خرچہ ٹپہ بذمہ خریدار
تمدن ہند
مصنفہ ڈاکٹر گستاولی بان مترجمہ علامہ
ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم کا
بے مثل کارنامہ۔ جس کے اس وقت چند نسخے باقی رہ گئے
ہیں جلد توجہ فرمائیں
قیمت .... ۵ عـہ
حسب ذیل
کتب زیر طبع ہیں
عنقریب شایع
ہو جائینگی
اتاترک
سنیر مسولینی
ہر ہٹلر
ڈیوک آف ونڈسر (سابق شہنشاہ)
رضا شاہ پہلوی
ابن سعود
مولفہ مولوی فیض محمد صاحب بی اے ایڈیٹر عثمانیہ سلطان ابن سعود کی زندگی
کے واقعات کا ایک دلکش اور حیران کن مرقع جس نے عرب کی
زندگی میں ایک نئی روح پھونک کر از سر نو میدان عمل میں
لا کھڑا کیا۔ اس کتاب سے سلطان کی کارگزاریوں
اور عرب کے موجودہ حالات کا پتہ چلتا ہے
قیمت (عـہ) روپیہ مجلد
عہد عثمانی میں اردو کی ترقی
از سید محی الدین قادری زور
گزشتہ پچیس سال سے حیدرآباد دکن میں
اردو ادب کی نشو و نما اور ترقی کا
تفصیلی تذکرہ
قیمت (عہ)
مشاہیر ہند
مولفہ سید پادشاہ حسین صاحب حیدرآبادی
ہندوستان کے چھ مشاہیر۔ آغا خان
اقبال۔ اکبر حیدری۔ بوس۔ ٹیگور
اور جواہر لال کے سبق آموز سوانح حیات ان کے
علمی و ادبی کارناموں پر تبصرے انکی قوم پرستی کے
کارنامے اور ان کے پیغامات شرح و بسط کے ساتھ
لکھے گئے ہیں۔ نائٹل کے دیدہ زیبی کے علاوہ مشاہیر
کی عمدہ تصویریں بھی شامل ہیں قیمت مجلد (عہ)
مسز سمپسن
مولفہ مولوی فیض محمد صاحب و سید پادشاہ حسین۔ عہد حاضرہ کی مشہور ترین
عورت جس کے حالات زندگی سے ہر فرد بشر واقف ہونے کے لیے بے چین ہے۔ باوثوق
ذرائع سے مہیا کرکے اس رومانوی داستان کو مورخانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے طباعت بہترین
قیمت (عہ) روپیہ
خرچہ ٹپہ ذمہ کتب خانہ
المشتہر سید عبدالقادر اینڈ سنس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز و پبلشرز چارمینار

تخیلات عالیہ

از

نواب عانت جنگ معین الدولہ بہادر دام اقبالہٗ امیر پائیگاہ

صفِ مژگان جمائے تیغ کھینچے تن کے بیٹھے ہین
قیامت اُٹھنے والی ہے کہ وہ یون بن کے بیٹھے ہین

پسِ مُردن بھی تنہائی سے جب گھبرا کے اُٹھتا ہون
تسلّی کو مری پھر مرے مدفن کے بیٹھے ہین

وفاؤن سے مری ہین دل ہی دل مین مُنفعل کیا کیا
یہ مانا محفلِ اغیار مین وہ تن کے بیٹھے ہین

پھر بھی اے نگاہِ ناز یہ رخنہ گری کیسی
جگر تھامے ہوئے ہم سامنے چلمن کے بیٹھے ہین

الٰہی مجھ سا ناکام تمنّا بھی نہ ہو کوئی
مرے پہلو مین بھی وہ منتظر دشمن کے بیٹھے ہین

ترے نقشِ قدم پامال کرتے ہین زمانے کو
جہان بیٹھے ہین وہ فتنے قیامت بن کے بیٹھے ہین

قدم رکھنا سنبھل کر او سراپا ناز محفل مین
بہت فتنے تماشائی ترے جوبن کے بیٹھے ہین

بگڑ کر بن گئی قسمت ٹھکانے لگ گئی محنت
جو رُوٹھے تھے مقدّر کیطرح وہ مَن کے بیٹھے ہین

مُعیّن اب دیر کیا ہے اُٹھ قیامت ہو گئی برپا
کھُلے بالون وہ آ کر روبرُو مدفن کے بیٹھے ہین

غزل

از

نواب قدرت نواز جنگ بہادر قدرت

تماشا دیکھئے جس کو ہم اپنا دل سمجھتے ہیں
بتانِ ماہوش اپنی اُسے منزل سمجھتے ہیں

میں دل قربان کرتا ہوں میں جی پر کھیل جاتا ہوں
مگر پھر بھی وہ مجھکو کب کسی قابل سمجھتے ہیں

ستم ہے یوں خزاں کے ہاتھ سے پامال ہو جائیں
وہ برگِ گل جنہیں ہم پارہ ہائے دل سمجھتے ہیں

سمجھ دی ہے جنہیں اللہ نے وہ بحرِ ہستی میں
ہر اک موجِ نفس کو دامنِ ساحل سمجھتے ہیں

دلِ بسمل ہمارا لوٹتا ہے اس مسرت میں
کہ وہ تیغِ نگاہِ ناز کا گھائل سمجھتے ہیں

محبت نے ہماری آنکھ پر پردہ یہ ڈالا ہے
کہ مرتے ہیں اسی پر ہم جسے قاتل سمجھتے ہیں

کسی کی جستجو میں ہے یہ اپنے ضعف کا عالم
کہ پڑتا ہے قدم جس جا اُسے منزل سمجھتے ہیں

گل و بلبل کا افسانہ تو سنتے ہیں وہ ہنس ہنس کر
میری روداد کو اک قصۂ باطل سمجھتے ہیں

یہ ہے وارفتگی اس رشکِ لیلیٰ کے تصور میں
کہ دل کو دل نہیں ہم جانتے محمل سمجھتے ہیں

نکل کر سایۂ دامانِ دولت سے کہاں جائیں
تمہیں کو مامن و ملجا شہ عادل سمجھتے ہیں

فروغِ حسن بچپن میں ہوا ایسا اس کی قدرت ہے
وہ ماہِ نو ہے لیکن سب کامل سمجھتے ہیں۔

یہ ایک صاحب قوت اجتہادی مفکر "مانٹسکیو" کے قدیم مقالے کا ترجمہ ہے۔ "مانٹسکیو" کو قانون کے نفاذی رخ کے مقابلے میں اس کے فلسفیانہ پہلو سے زیادہ دلچسپی تھی۔

اس نے ہر موجودہ قانونی نوعیت کا مطالعہ کرنے کی خاطر تمام یورپ کی سیاحت کی تھی اور کامل مطالعے کے بعد اس شاہکار "روح قوانین" کی طیاری میں پورے بیس برس صرف کئے تھے۔

اس مضمون میں اس نے ہر قدیم و جدید ضابطۂ قانون کی جانچ پڑتال اور ان کے تمام حسن و قبح کا جائزہ لینے کے بعد یہ تجویز پیش کی ہے کہ انگریزی دستور ایک ایسا صحیح نمونہ ہے جسے تمام عالم کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ اس مضمون نے دور دور تک حیرت انگیز اثر پیدا کیا۔ اس کے ذریعہ سے اس تحریک کو بھی بہت مدد پہونچی جسے "انقلاب فرانس" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ان دوسری قوموں کو بھی جو خود مختاری اور حکومت عامہ کے درمیان کسی صحیح راستے کی تلاش میں تھیں اس کی ترغیب پیدا ہوئی کہ وہ انگریزی پارلیمنٹی دستور کو قبول کر کے اپنے ملک کو ترقی یافتہ بنالیں۔"

(۱)

حکومت عامہ

(عمومیہ)

حکومت کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) حکومت جمہوری۔

(ب) حکومت شاہی۔

(ج) حکومت استبدادی

(الف) جمہوری حکومت میں عامۃ الناس یا عامۃ الناس کے ایک جزو کو شاہی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

(ب) حکومت شاہی میں صرف ایک فرد حکومت کرتا ہے۔ لیکن اس کی حکومت ایک معین و محکم قانون کی پابند ہوتی ہے۔

(ج) اور حکومت استبدادی میں بھی صرف ایک ہی شخص حکومت کرتا ہے لیکن اس کی حکومت کسی ضابطے اور قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کرتا ہے۔

جب جمہوری حکومت میں تمام شاہی قوتیں عامۃ الناس کے ہاتھوں میں آجاتی ہیں تو وہ حکومت عامہ بن جاتی ہے۔

اور جب یہ شاہی قوت عامۃ الناس کے صرف ایک طبقے سے متعلق ہوتی ہے تو اسے حکومت امراء (Aristocracy) کے نام سے پکارتے ہیں۔

حکومت عامہ میں عامۃ الناس بعض حیثیتوں سے شاہی اختیارات کے حامل ہوتے ہیں اور دیگر طرز ہائے حکومت میں ان کا مرتبہ رعیت سے زیادہ نہیں ہوتا۔

عامۃ الناس ووٹوں کے بغیر حکومت نہیں کرسکتے اور اس حالت میں جو قوانین کہ حق رائے دہی کا تعین کرتے ہیں، وہ بنیادی طور پر مانے جاتے ہیں۔

عامۃ الناس کا جنہیں اس طرز حکومت میں شاہی اختیارات حاصل ہوتے ہیں یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو کاروبار حکومت کو خود ہی چلائیں۔ اور جو امور کہ وہ نہ کرسکیں انہیں وزراء پر چھوڑ دیں۔

عامۃ الناس کے وزراء اس وقت تک ان کے قابل اعتماد وزراء نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ خود انہیں منتخب نہ کریں اسی لئے اس طرز حکومت کا یہ ایک بنیادی اصول ہونا چاہیئے کہ وزراء صرف انتخاب ہی کے ذریعہ سے مقرر کئے جائیں۔

عامۃ الناس میں اتنی قابلیت ہوتی ہے کہ وہ ایسے وزراء منتخب کریں جن پر وہ اپنی اہم ذمہ داریوں کا بار ڈال سکیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ انہیں اس کا علم بھی ہوتا ہے کہ شہریوں میں سے کون سا شخص میدان کارزار کا تجربہ رکھتا ہے۔ اور کسے سپاہدار بنانے میں ملک کی فلاح مضمر ہے۔

نیز انہیں اس سے بھی واقفیت ہوتی ہے کہ کون سا جج سرگرم اور متدین جج ہے اور اسی کو وہ بیرسٹر بنا سکتے ہیں۔

یہ تمام متذکرہ بالا امور ایسے حقائق ہیں جن کا علم بادشاہ کو اپنے قصر زرنگار میں اس قدر نہیں ہو سکتا جس قدر کہ عامتہ الناس کو کوچہ و بازار میں ہو سکتا ہے۔

لیکن کیا عامتہ الناس میں اس قدر صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ امور حکومت کو چلا سکیں۔ حالات کا مطالعہ کر سکیں اور مواقع سے فائدہ اٹھا کر اچھے حکام بن سکیں؟ — نہیں —

یہ درست ہے کہ شہریوں کی اکثریت اس قابل تو ضرور ہوتی ہے کہ وہ کثرت رائے سے دوسروں کو مختلف عہدوں پر مقرر کر سکے لیکن وہ اتنی کافی لیاقت نہیں رکھتی کہ خود اسے کثرت رائے سے کوئی کام سپرد کیا جا سکے۔

اور ہر چند کہ مخلوق میں اتنی صلاحیت ضرور پائی جاتی ہے کہ وہ دوسروں کے نظم و نسق کے باب میں کوئی نقادانہ رائے قائم کر کے خوردہ گیری کر سکے، لیکن وہ اس کے شایان نہیں ہوتی کہ خود نظم و نسق کا بار اٹھا سکے۔

مخلوق کا تو ہمیشہ یہ عالم رہا ہے کہ یا تو وہ نہایت ہی تیز رفتاری سے کام کرتی ہے یا انتہائی سست رفتاری کے ساتھ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو وہ ہزاروں، بلکہ لاکھوں ہاتھوں کی قوت کے ساتھ ہر چھوٹے بڑے کام کو انجام دیتی ہے۔ اور بعض اوقات ہزاروں لاکھوں پاؤں کے باوصف وہ ایسی سست رفتاری سے حرکت کرتی ہے جیسے زخمی کھنکھجورا۔

ہر دلعزیز حکومتوں میں عامتہ الناس مختلف طبقوں میں منقسم کر دیئے جاتے ہیں اور اسی طبقاتی تقسیم کی خوبی پر "حکومت عامہ" کی عمارت و فلاح بنی ہوتی ہے۔ سرتاپا الیکشن پر کارفرما ہو جانا "حکومت عامہ" کا طریقہ سیاست ہے اور سراسر افراد کا منتخب کرنا "حکومت امراء" کا دستور ہے۔

الیکشن کا طریقہ ہر شہری کے دل میں امید پیدا کرتا ہے کہ اسے اپنے وطن کی خدمت کا موقع مل سکتا ہے۔ لیکن یہ ایک غلط طریقہ ہے۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جسے درست و ہموار کرنے کے سلسلے میں زبردست واضعان قانون نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

مثال کے طور پر "سولن" کو لیجئے، اس نے ایتھنس میں تمام فوجی مناصب کے لئے تو یہ طریقہ جاری کیا تھا کہ لوگوں کو انتخاب کے ذریعہ سے نامزد کیا جاتا تھا۔ اور ججوں اور سینیٹروں کے واسطے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ الیکشن کے ذریعہ سے قائم کئے جاتے تھے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ اس نے یہ قاعدہ بھی مقرر کیا تھا کہ جو لوگ الیکشن کے واسطے اپنے کو نامزد کریں، پہلے ان کی قابلیت کا امتحان لے لیا جائے، جو امتحان میں پورے نہ اتریں اُن کے نام فہرست سے خارج کر دیئے جائیں اور اس ترکیب سے اس نے بخت و اتفاق اور تجزیہ و انتخاب، دونوں کی سرحدوں کو ملا دیا تھا۔

شاہی اور استبدادیت کو اپنے قائم رکھنے میں زیادہ دیانت و راست بازی کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ ایک ہاتھ میں مہیب قانون اور دوسرے میں خوفناک تلوار ان کی سلطنت کے تمام نظام کو محکم و استوار رکھنے کے لئے کافی ضمانت ہوتی ہے۔

لیکن حکومت عامہ میں ایک بڑی حد تک تمام امور افراد کے سیاسی احساس پر مبنی ہوتے ہیں۔

جب کوئی حکومت عامہ، حب وطن، سلامت روی اور جذبۂ مساوات سے محروم ہو جاتی ہے، تو وہ حرص و آز کے ہاتھوں بہت جلد پاش پاش ہو کر رہ جاتی ہے

حکومت عامہ کا بنیادی اصول صرف اسی بات سے متزلزل نہیں ہوتا کہ افراد میں روح مساوات کی کارفرمائی باقی نہیں رہتی، بلکہ جس وقت اس فقدان جذبۂ مساوات کے ساتھ ساتھ ہر شخص یہ انتہائی خواہش بھی کرنے لگتا ہے کہ وہ ان تمام اعیان کے ہمپایہ سمجھا جائے جو قوم کی متفقہ رائے سے ملک کے ارباب حل و عقد بنائے گئے ہیں، تو اسی وقت حکومت عامہ دم توڑ دیتی ہے۔

جس وقت کہ بڑے بڑے معرکے سر کئے جا چکے، اور بڑی بڑی فتح مندیاں حاصل ہو چکی ہوتی ہیں، جن میں عامتہ الناس کا بڑا حصہ ہوتا ہے اس وقت افراد کا غرور اُس بلندی پر پہونچ جاتا ہے کہ کوئی کسی کو اپنے سے اونچا دیکھنے پر طیار نہیں ہوتا — یہی وجہ ہے کہ فتح ایران کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایتھنس کی جمہوریت کا خاتمہ ہو گیا اور ایتھنس کو فتح کرتے ہی "سیراکیوزہ" تباہ ہو کر رہ گیا۔

اس لئے حکومت عامہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو مندرجۂ ذیل دو افراطوں سے ہمیشہ بچائے رہے۔

(الف) عدم مساوات کا جذبہ، جو حکومت عوام کو حکومت امراء کے اصول پر لے آتا ہے۔

(ب) انفرادی استیلا، اور حد سے گزری ہوئی مساوات کا میلان کیونکہ ان چیزوں کا استبدادیت پر جا کر خاتمہ ہوتا ہے۔

(۲)
حکومت امراء

حکومت امرا میں شاہی قوت اشخاص کے ایک گروہ خاص سے وابستہ ہوتی ہے۔ یہی وہ گروہ خاص ہے جو قانون بناتا اور اسے جاری کرتا ہے اور باقی ماندہ انسان اس گروہ خاص یا یوں کہیے اس طبقہ اعیان کی رعیت ہوتے ہیں۔

جب امراء و اعیان کثیر تعداد میں ہوتے ہیں اس وقت امور سلطنت کی استواری و بقاء کی خاطر اس کی شدید ضرورت ہوتی ہے کہ ایک سینیٹ (مجلس فضلاء) ترتیب دی جائے اور اس کے ذریعہ سے قوانین نافذ اور معاملات طے کئے جائیں۔ اس طرح سینٹ کے ہاتھ حکومت امرا وابستہ رہتی ہے، اور حلقۂ امرا پر حکومت عامہ قائم ہوتی ہے۔ اور عامۃ الناس کے واسطے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔

بہترین حکومت امرا اسے کہتے ہیں جس میں عامۃ الناس اس قدر محروم اقتدار اور خاموش ہوں کہ ارباب اقتدار کو نہیں ستانے کی ضرورت ہی پیش آئے۔

یہی وجہ ہے کہ جب "دی آنتی پیٹر" نے ایتھنس میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ جن کی آمدنی دو ہزار سے کم ہے وہ ووٹ دینے کے حق سے محروم کئے جاتے ہیں۔ تو اس قانون سے حکومت امرا کی ایک بہترین صورت پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ یہ ہلکی سی شرط شہریوں کے ایک نہایت ہی قلیل حصے کو متاثر کر سکتی تھی۔ اور کوئی نمایاں فرد رائے دہی کے حق سے محروم نہیں رہا تھا ان خاندانوں کو جو حکومت امرا پر مشتمل ہوں، عامۃ الناس سے ہر ممکن صورت سے وابستہ ہونا چاہیئے۔

حکومت امرا جس قدر بھی حکومت عامہ سے مشابہ رہے گی۔ اسی قدر کامل ہوتی چلی جائے گی۔ اس حکومت کے تمام امور میں سب سے زیادہ ناقص امر یہ ہے کہ اعلیٰ طبقے، پست طبقوں کا گلا گھونٹتے رہیں۔

حکومت عامہ کے مقابلے میں حکومت امرا کے اندر زیادہ قوت موجود ہوتی ہے۔

امرا و اعیان ایک جماعت خواص بنا لیتے ہیں جو اپنے اختیارات خصوصی اور مفاد ملکی کے واسطے عامۃ الناس پر نگاہ رکھتی ہے لیکن اس جماعت خواص کے واسطے اپنے ارکان پر پابندیاں قائم کرنا، اور ان کے حوصلوں پر نگاہ رکھنا اس قدر آسان نہیں ہے جیسا کہ عامۃ الناس کے معاملے میں ہوتا ہے۔

عامۃ الناس کو تو جرائم کی سزا ملتی ہے۔ اور خواص کو بھی اگر وہ بالکل علانیہ طور سے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، پاداش بھگتنا پڑتی ہے۔ لیکن امرا و اعیان کے پوشیدہ جرائم سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی جاتی ہے۔

اس نوعیت کی جماعت خواص دو طرح اپنی اصلاح کر سکتی ہے (۱) یا تو ایک اعلیٰ سیاسی وصف کی رو سے امرا عامۃ الناس کو اپنا ہم مرتبہ سمجھ کر ایک وسیع جمہوریت کی شکل پیدا کر لیں۔ (۲) یا اس سے کمتر سیاسی وصف سے کام لیکر اپنے اپنے اقتدار و منصب کو اعتدال کے سانچے میں ڈھال لیں۔

حکومت امرا اس وقت ایک مذموم حکومت کی شکل اختیار کر لیتی ہے جبکہ امرا کے اقتدار میں مطلق العنانی کی بو آنے لگتی ہے۔

جب تک امرا کے خاندان اپنے وضع کردہ قوانین کو ایک ایسی شاہنشاہی سمجھتے رہتے ہیں جو متعدد بادشاہوں پر مشتمل ہے اس وقت تک کسی فساد کا اندیشہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت حال میں تمام شاہنشاہیاں ایک محکم قانون کی زنجیر سے جکڑی رہتی ہیں لیکن جبکہ یہ قانونی پابندی اور دستوری نظر باقی نہیں رہتی تو حکومت امرا میں سلاطین شاہی اور امرا میں مطلق العنان بادشاہوں کی سی شان پیدا ہو جاتی ہے اور یہ صورت حال حد سے گزری ہوئی خرابی کا سرچشمہ اس وقت بن جاتی ہے جب امارت، وراثت کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور پوتڑوں کے رئیس پیدا ہونے لگتے ہیں کیونکہ یہ موروثی اور پوتڑوں کے رئیس اپنے اقتدار کے استعمال میں اعتدال برتنے پر قادر ہی نہیں ہوتے۔

جس زمانے میں امرا کی تعداد قلیل ہوتی ہے ان کے اقتدار میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور ان کا شخصی اعتبار گھٹنے لگتا ہے۔ اور جس عہد میں ان کی تعداد کثیر ہو جاتی ہے اس وقت ان کے اقتدار میں انحطاط پیدا ہو جاتا ہے اور ان کا شخصی اعتبار بڑھ جاتا ہے۔

حاکمانہ اقتدار کا ہمیشہ رو بہ ترقی، اور شخصی اعتبار کا ہمیشہ رو بہ تنزل رہنا ایک ایسا سلسلۂ عمل ہے جو ایک مطلق العنان بادشاہی پر جا کر ختم ہوتا ہے ایسی مطلق العنان بادشاہی پر ختم ہوتا ہے جس کی طاقت بھی ویسی ہی وسیع ہوتی ہے جیسے اس کے خطرے۔

موروثی حکومت امرا کے اندر امرا و اعیان کی فراوانی نتیجۂ حکومت کی گرفت کو نرم کر دیتی ہے۔ موروثی امرا چونکہ سیاسی اوصاف سے محروم، ذہنی برکتوں سے ناواقف، احساس فرائض سے بے خبر۔ اور محنت و مشقت سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لئے ان کی حکومت یتیم ہو کر موت کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔

حکومت امرا اگر ایسے قوانین مرتب کرنے میں کامیاب ہو جائے جو عیش و عشرت کے عوض امرا کو حکومت کی تلخیوں، جہانبانی کے خطروں اور حکمرانی کے خون آشام ہنگاموں سے آشنا کر دیں اور اعیان میں اس کا احساس پیدا

کرسکیں کہ اگر انہوں نے صحیح انسان بنا کر حکومت نہ کی تو اندرونی تباہیں اور بیرونی حملے ان کے ملک اور ان کے خاندانوں کو تباہ کر ڈالیں گے تو بیشک اصلاح و ترقی کی ایک نمایاں صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

کسی حد تک اعتماد و اعتبار کے پیدا ہوجانے سے بادشاہی میں جاہ وجلال اور استحکام و استقلال پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن جمہوریت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ تو عدم اعتماد و خطرات سے نشوونما حاصل کرتی ہے۔

ایرانیوں کے حملوں کے خوف نے یونانی جمہوریت کو بیدار رکھا تھا اور اسی خوف کی بدولت یونان کا ہر فرد جمہوری قوانین کی پابندی سے روگردانی کا تصور کرتے ہوئے بھی کانپنے لگتا تھا۔

ہرچند یہ عجیب بات ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ حکومت امرا اور حکومت عامہ کی مثال پانی کی سی ہے جسے اگر ایک مدت تک نہ چھیڑا جائے اور جو ایک زمانے تک نہ بہہ سکے تو اس سے فساد کی بو آنے لگتی ہے۔

(۳)

شاہی

تمام درمیانی، ماتحت اور پابند قوتیں مل کر شاہی حکومت کا قوام تیار کرتی ہیں جس میں ایک فرد واحد، بنیادی قوانین کے مطابق حکومت کرتا ہے شاہی حکومت کی درمیانی اور ماتحت قوتیں، قدرتی طور سے امرا و اعیان کی شخصیتیں ہوتی ہیں۔ امارت شاہی حکومت کا ایک لاینفک جز ہے اور اس وجہ سے یہ ضرب المثل عالم وجود میں آئی ہے کہ اگر شاہی نہیں ہے تو امارت بھی نہیں، اور امارت نہیں ہے تو شاہی بھی نہیں۔

یورپ میں بعض افراد ایسے ہیں جو امارت کو قطعی طور پر سے معدوم کردینا چاہتے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہ وہی شئے ہے جسے ستر ہویں صدی میں خود پارلیمنٹ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ناکام رہی۔

شاہی حکومت میں امرا و اعیان، علما اور شرفا کے مخصوص اختیارات کو اگر معطل و معدوم کر دیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو ایک خاص [illegible] حکومت کی بنیاد پڑجائے گی یا پھر مطلق العنان بادشاہی کا دور جسے استبداد کہا جاتا ہے شروع ہوجائے گا۔

میں علما و پادریوں کے مخصوص اختیارات کا زیادہ حامی نہیں لیکن یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان کے اختیارات ایک حد پر لا کر ہمیشہ کے لیے متعین ضرور کردیئے جائیں۔

جمہوری حکومت میں پادریوں کا اقتدار خطرناک ہوسکتا ہے لیکن شاہی حکومت میں اسے بہ آسانی برداشت کیا جاسکتا ہے اور خصوصاً ایسی شاہی حکومت میں جس کا میلان استبداد کی طرف پایا جاتا ہو۔

آزادی کو ترقی دینے کی خاطر انگریزی قوم نے ان تمام درمیانی قوتوں کو برباد کردیا ہے جو ان کی شاہی کی تشکیل کرتی ہیں۔ اور اس آزادی کی حفاظت کرنے کے ان کے پاس معقول دلائل بھی ہیں اگر کبھی انگریز اس آزادی کو تلف کریں گے تو وہ دنیا کی ایک بدترین غلام قوم بن کر رہ جائیں گے۔

صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ شاہی حکومت میں درمیانی مناصب قائم رکھے جائیں بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی اشد ضروری بات ہے کہ قوانین کی امانت کو بھی باقی رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ قوانین کی یہ امانت سیاسی مجلس قانونی ہی کے اندر پائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ یہی وہ مجلس ہے جو قوانین کا اعلان کرتی ہے اور جب وہ فراموش ہونے لگتے ہیں تو انہیں دوبارہ حافظوں میں واپس لاتی ہے۔

امرا کی کاہلی، بے پروائی، بے نیازی اور جہالت اس کی مقتضی ہے کہ ایک ایسی سیاسی مجلس ضرور مسلط رہے۔ جو قوانین کو اس زمین سے مسلسل کھود کھود کر باہر نکالتی رہے جس میں امرا انہیں دفن کرتے رہتے ہیں۔

جس طرح حکومت عامہ سینیٹوں، مجسٹریٹوں اور ججوں کے اختیارات کی قطع و برید کے ہاتھوں تباہ ہوجاتی ہے اسی طرح حکومت شاہی اعلیٰ طبقے کے خصوصی حقوق، اور شہروں کے رعایتی اختیارات کے رفتہ رفتہ کم ہوجانے سے برباد ہوجایا کرتی ہے، کیونکہ اعلیٰ طبقے کے حقوق کے مجروح ہوجانے سے عامۃ الناس کی استبدادیت رونما ہوتی ہے اور شہروں کے رعایتی اختیارات کے سلب ہوجانے سے فرد واحد میں استبدادی قوت پیدا ہوجاتی ہے۔

قدیم زمانے کے لوگ آج کل کی سی شاہی حکومت سے بہت کم واقف تھے جو امرا کی قوت پر مبنی ہوتی ہے اور اس سے تو بالکل ہی ناواقف تھے کہ شاہی حکومت مجلس قانون اور پارلیمنٹ کے ماتحت رہتے ہوئے کیونکر قائم ہوتی ہے اگر ٹیسیٹس کے قابل تعریف تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا جائے، تو پتا چل سکتا ہے کہ انگریزوں نے اپنے سیاسی دستور کا چربہ اسی سے تیار کیا ہے۔

انگریزوں کا سیاسی دستور تین قوتوں کی علیحدگی پر مبنی ہے (۱) قانونی اختیارات (۲) عملی اختیارات (۳) اور عدالتی اختیارات (الف) قانونی اختیارات پارلیمنٹ

کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔

(ب) عملی اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں۔

(ج) اور عدالتی اختیارات مجسٹریٹوں کے ہاتھ میں

اگر کوئی جماعت، یا امراء، یا خود عامتہ الناس، ان تینوں متذکرہ بالا قوتوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیں تو اسی روز انگریزوں کی آزادی کا خاتمہ ہو جائے۔

اپنے دستور نمایندگی کی بدولت انگریزوں نے قدیم جمہوریت کے بدترین عیب سے نجات حاصل کر لی ہے جس کی رو سے عامتہ الناس کو حکومت کے معاملات میں عملی حصہ لینے کے حقوق حاصل تھے۔

ہر سلطنت میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو پیدائش (دولت) یا اعزاز کے باعث دیگر افراد سے ممتاز ہوتے ہیں اگر انہیں عامتہ الناس میں شامل کر لیا جائے اور ان کا بھی ایک ہی ووٹ شمار کیا جائے تو یہ آزادی ان کے حق میں غلامی سے بدتر ہو گی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنی قومی آزادی کی حفاظت میں کوئی حصہ نہ لیں گے۔

اس لئے مناسب ہے کہ انہیں کچھ مخصوص حقوق اور خاص اختیارات مزید بخشے جائیں۔

اسی وجہ سے انگلستان میں مجلس قوانین براہ راست انہیں پر مشتمل ہے اور اسی کی رو سے عامتہ الناس پر ان کا ایسا ہی اقتدار ہے۔ جیسا خود عامتہ الناس کو اپنے اوپر حاصل ہے۔

دارالامراء ( ) کا موروثی ہونا ناگزیر ہے

کیونکہ اس کا موروثی ہونا ایک قدرتی بات ہے، اور اس کے علاوہ موروثی ہونے کے باعث اس کے اختیارات خصوصی کی حفاظت ہو سکتی ہے ورنہ دوسری شکل میں ان کے واسطے خطروں کا پیدا ہو جانا ایک بدیہی سی بات ہے۔

دارالامراء کے موروثی ہونے میں صرف ایک خرابی واقع ہو سکتی ہے وہ یہ کہ رکنیت کے موروثی ہونے کے باعث امراء فرائض منصبی کے ادا کرنے میں کوتاہیاں اور خود غرضیاں شروع کر سکتے ہیں۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ روپے پیسے اور حقوق خلائق کے تمام امور میں انہیں بے دست و پا کر دیا جائے۔

(۴)

حکومت استبدادی

استبدادی حکومت کی فطرت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مستبد حکومت کا انتظام دوسرے کے سپرد کر دینے پر مجبور ہے۔

خدا کا وہ قابل رحم بندہ جس کے پانچوں حواس اس سے ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہوں کہ وہی سب کچھ ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ قدرتی طور پر کاہل جاہل ناکارہ عشرت پسند اور احمق ہوتا ہے اور اسی وجہ سے مجبور ہوتا ہے کہ امور سلطنت کی باگیں ہاتھ سے چھوڑ کر دوسروں یا کسی دوسرے کے سپرد کر دے۔

اگر وہ کاروبار کو مختلف لوگوں کے سپرد کرتا ہے تو ان میں باہمی آویزشیں پیدا ہوتی ہیں اور مستبد یا مطلق العنان فرمانروا کو ان کے جھگڑے چکانے کی زحمت گوارا کرنا پڑتی ہے جسے وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔

اس لئے مطلق العنان فرمانروا کے واسطے آسان یہی ہے کہ وہ کسی ایک وزیر کو تمام سیاہ و سفید کا مالک کر کے اپنے جسم کے انبار کو نرم گدوں پر پڑے رہنے کے واسطے چھوڑ دے۔

وزارت کا قیام استبدادی حکومت کا ایک بنیادی قانون ہے جسے نظر انداز کیا ہی نہیں جا سکتا۔

مطلق العنان فرمانروا کو جس قدر زیادہ افراد پر حکومت حاصل ہوتی ہے اسی قدر وہ ان پر حکومت کرنے میں کاہلی کو دخل دیتا ہے اور کاروبار حکومت جس مقدار سے وسیع ہوتا رہتا ہے اسی مقدار سے اس کی بے نیازی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

استبدادی حکومت ابتدا ہی سے خرابی کی طرف مسلسل قدم اٹھائے چلی جاتی ہے کیونکہ اس کی عین فطرت ہی خراب واقع ہوئی ہے۔

ان حالتوں میں بھی جب کہ بعض اتفاقی امور استبداد کی امداد کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ استبداد اندر ہی اندر سڑتا ہوا چلا جاتا ہے اگر آب و ہوا۔ مذہب اور موانع کی مساعدت، اور بعض قابل اور قانون پسند افراد کے مساعی کی بدولت اتفاقی طور سے موافق حالات پیش آ جائیں۔ یا آتے رہیں تو استبدادی حکومت کسی نہ کسی طرح چند روز ضرور چل سکتی ہے لیکن یہ مندرجۂ بالا موافق امور استبداد کو چندے چلا تو سکتے ہیں مگر اس کی غیر فطری فطرت کو تبدیل کر دینے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور ہر چند یہ تمام اتفاقی امور دیو استبداد کو کچھ دن کے لئے ہلکی سی زنجیرے باندھ تو سکتے ہیں مگر اس کی شورش ہلچل کشمکش زندگی اور زنجیر شکن زور آزمائی کے طبعی میلانات کو فنا کرنے کی طاقت کبھی نہیں رکھ سکتے۔

غزل

از جناب رکن الدین احمد صاحب وفا مددگار صدر محاسبی فرزند شمس العلما نواب عزیز جنگ ولا مرحوم

میں جانتا ہوں دعائیں مری اثر کیا ہیں	جو مبتلائے بلا ہو اسے مفر کیا ہے
شب فراق سے چھوٹے تو صبح ہجر ملی	جو روز کا ہو یہی رنگ پھر سحر کیا ہے
وہ آنکھ ملتے ہی دل اپنا ہو گیا چھلنی	چھری ہے تیر ہے برچھی ہے وہ نظر کیا ہے
درون سینہ جو آتش ہے سوز الفت سے	وہ آہ بن کے نہ نکلے تو پھر سحر کیا ہے
جو اپنے حال سے خود بے خبر ہے اسکو وفا	کسی کے دل پہ گزرتی ہے کیا خبر کیا ہے

ریولی ٹاکیز
سکندرآباد
(نزد ریلوے)
بلدہ سے بہت قریب ریولی انٹرپرائنرز
کا سب سے زیادہ خوبصورت اور آراستہ سینما گھر جہاں
بہترین برٹش اور امریکن فلم دکھائے جاتے
ہیں اور جس کو خاص و عام کی سرپرستی
حاصل ہے
سنٹرل ٹاکیز
گولی گوڑہ
قابل رشک شہرت اور مقبولیت کا مالک
جو ابتدا سے اپنی روایات کو قائم رکھکر بہترین ہندوستانی فلم دکھانے میں
سبقت رکھتا ہے خصوصاً تھیٹر زادہ پربھات کے فلم اس ہاوس کے لئے مخصوص
ہیں اور یہ بلدہ کا بعید ہر دلعزیز اور مقبول ترین سینما تسلیم کیا جاتا ہے
ریکس ٹاکیز
سکندرآباد
(سابق اسپنسر بلڈنگ)
قابل تعریف حسن انتظام۔ برٹش و امریکن
پکچروں کے بہترین انتخاب خصوصاً میٹرو
گولڈوِن، یونائیٹڈ آرٹسٹ اور
فاکس کمپنی کے نادر و نایاب شاہکاروں کی
نمایش کیلئے اس ہاوس کو امتیاز خصوصی
حاصل ہے
کرشنا ٹاکیز
گلزار حوض
جس کو از سر نو دلہن کی طرح سنوارا گیا ہے اور اعلیٰ قسم
کی مشنری نصب کرکے ہاوس کی شان دوبالا کردی گئی ہے
اب یہ وسط شہر کا مقبول ترین سینما ہاوس ہے جہاں
ہندوستانی پکچر دکھائے جاتے ہیں۔
ویسٹنڈ ٹاکیز
کاچی گوڑہ
بلدہ کی آراستہ اور خوبصورت ترین عمارت ہے جس کی حاشیہ بندی ایک مختصر
پائیں باغ سے کی گئی ہے اعلیٰ قسم کی مشین نصب ہے۔ میٹرو گولڈوِن یونائیٹڈ
آرٹسٹ اور فاکس کمپنی کے بہترین انگریزی شاہکار پیش کئے جاتے ہیں۔
رائل ٹاکیز
سلطان بازار
دلچسپی اور تفریح کا قدیم مرکز جو بہترین ہندوستانی ناطق فلم دکھانے میں اپنا جواب نہیں رکھتا
ریولی انٹرپرائنرز
کے زیر انتظام اس وقت حیدرآباد و سکندرآباد میں انگریزی اور ہندوستانی فلموں کی نمایش کے لئے جداگانہ شہرت اور مقبولیت
کے مالک اعلیٰ درجہ کی مشین اور آرام دہ فرنیچر سے آراستہ چھ بہترین سینما ہاوس ہیں جن میں اعلیٰ اقسام کے ہمہ صفت موصوف اصلاحی اخلاقی
اور معاشرتی فلمیں پیش کیجاتی ہیں۔ اور جن کو امراء اور روساء کی قدر افزائی اور سرپرستی نے نمایاں حیثیت دے رکھی ہے۔ اپنے شہر کے ان تفریحی مراکز کو ہرگز
فراموش نہ کیجئے

”قطرہ قطرہ میشود دریائے نیل“

جو لوگ تھوڑی رقم کو اس لئے پس انداز نہیں کرتے کہ وہ تھوڑی ہے وہ کبھی بڑی رقم کے مالک نہیں بن سکتے۔ دنیا میں قطرہ قطرہ سے دریا اور پیسے پیسے سے روپیہ بنتا ہے۔

ہر شخص خواہ وہ کتنی ہی قلیل آمدنی رکھتا ہو اگر ہر مہینہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرتا رہے تو ایک روز دولتمند بن سکتا ہے۔ یہ الفاظ کتنے ہی تعجب انگیز معلوم ہوں مگر حقیقت سے خالی نہیں ہیں۔

ان لوگوں کی تقلید نہ کیجئے جو ہر روز اتنا ہی خرچ کر دیتے ہیں جتنا کہ پیدا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ایک منٹ بھی برے وقت کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک مطمئن اور پر مسرت زندگی روپیہ خرچ کرنے سے نہیں بلکہ جمع کرنے سے بنتی ہے۔

آج ہی آپ کسی معمولی رقم سے ہمارے سیونگ بنک میں اپنا کھاتہ کھولئے۔ اس مستقل ارادے کے ساتھ کہ آپ ہر ماہ اس میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو یہ دیکھکر حیرت ہوگی کہ آپ کی جمع کردہ رقم کو بڑھانے میں بنک نے کس قدر اہم خدمت انجام دی ہے۔

دکن کمرشل بنک لمیٹڈ

عابد روڈ — ٹیلیفون نمبر ۳۳ — روبرو گرامر اسکول

نظامِ ہستی

ازجناب علی اختر صاحب

دنیائے گردش ایام سہہ رہا ہوں میں　　تغیرات کی اک رو میں بہہ رہا ہوں میں
مجھے ہے اپنی حقیقت سے اس قدر نسبت　　فسانہ اور کسی کا ہے کہہ رہا ہوں میں

حیات کیا ہے، فریب حیات کیا کہئے!
نہ جانے کون سے عالم میں رہ رہا ہوں میں

کھلی تھی شام کے سائے میں اک لطیف کلی　　دلوں میں ڈوبنے والی، نوائے سازِ چمن
کلی نہ تھی کہ چمن کا، ہجوم رعنائی　　سمٹ کے ایک ہی نقطے پہ تھا ضیا افگن
لطافتوں کا یہ عالم کہ جھومتی تھی نگاہ　　پلا رہا تھا کوئی ساغر شرابِ کہن
عجیب لطف سے رہ رہ کے مسکراتی تھی　　نقاب اٹھائے ہوئے نو عروس بزم چمن
مگر سحر کو جو دیکھا تو کچھ نہ پوچھ ندیم!　　یہ شمع محفل گلزار جس سے تھی روشن

پڑی تھی خاک پہ رازِ حیات پائے ہوئے
فریب عشرت دوراں کے زخم کھائے ہوئے

وہ شمع جس کی ضیا سے ہجوم ظلمت میں　　نظر فریب تھا لیلائے شب کا حسن جبین
اُبل رہے تھے رباب نشاط سے نغمے　　کھنک رہے تھے سر بزم ساغر زریں
وہ رنگ و بو، وہ لطافت، وہ حسن نقش و نگار　　کہ جس سے ہو متحیر کمال دانش چیں
حدیث عشق میں کھوئے ہوئے تھے پروانے　　جمال شمع تھا بیگانۂ رہ تسکین
مگر وہ صبح کا عالم، ارے معاذ اللہ　　کسی زبان میں جس کے بیان کی تاب نہیں

رہین موج ہوا مشت خاک تھی، پر تھے
نہ شمع تھی نہ پتنگے، نہ ساز و ساغر تھے

یہ کیا نظام ہے اللہ! بزم ہستی کا　　نہ دل میں شانِ بصیرت، نہ آنکھ محرم راز
مذاقِ سیر بھی صبر آزما ہے ایسے میں　　نہ ہو جو بازوئے خستہ میں طاقت پرواز
وہ غنچہ جس کے تبسم سے قبل پیش آئیں　　ہزار مرحلۂ سخت و گردشِ ناساز
ہوا کی ایک ہی جنبش میں کچھ سے کچھ ہو جائے　　نہ رنگ و بو کا وہ عالم، نہ وہ جمال و طراز

کھلا کسی پہ نہ اب تک کہ ماجرا کیا ہے
اس انقلابِ مسلسل کا مدعا کیا ہے

از

جناب حکیم آزاد انصاری صاحب

آؤ کچھ باہمی صلاح کریں	آؤ کچھ کوشش فلاح کریں
آؤ عزم خیالِ کار کریں	آؤ فکرِ مآل کار کریں
آؤ غمخواری حیات کریں	آؤ سعیٔ ترقیات کریں
آؤ بابِ شفا تلاش کریں	آؤ دکھ کی دوا تلاش کریں
آؤ درہائے جہل بند کریں	آؤ علمی نوا بلند کریں
آؤ تا منزلِ مفاد بڑھیں	آؤ تا غایتِ مراد بڑھیں
آؤ فکرِ حیاتِ ملک کریں	آؤ سعیِ نجاتِ ملک کریں
آؤ جو گر رہے ہیں ان کو اٹھائیں	آؤ جو مر رہے ہیں اُن کو جِلائیں
آؤ کچھ خدمتِ وطن کر جائیں	آؤ اس دشت کو چمن کر جائیں

مانو آزاد کا کہا مانو   فرصتِ کار مغتنم جانو

کام کا موقع و محل سمجھو

ورنہ بربادیاں اٹل سمجھو
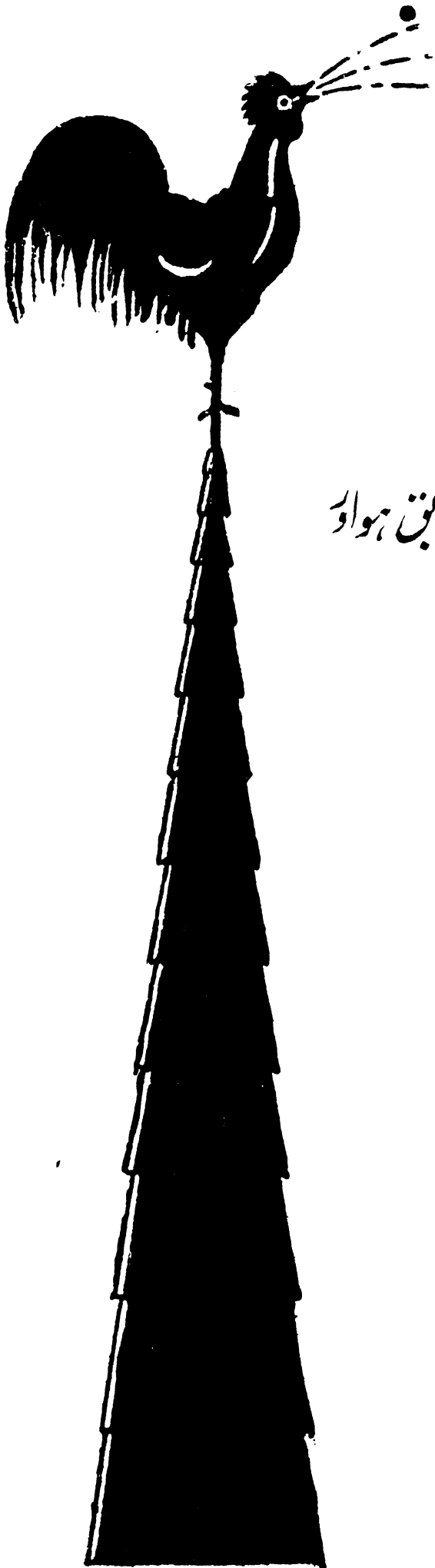
خدمتگذاری کا انحصار
کفایت شعاری علم و تجربہ
پر منحصر ہے
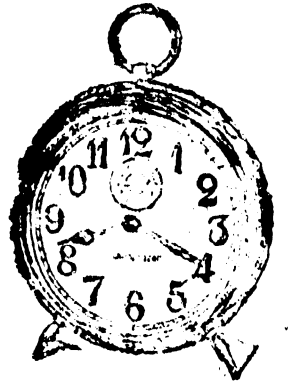
اور یہی راز بیس سال سے زاید ہماری کامیابی کا ہے

الارم والی گھڑیالیں جو ہر ایک کے مذاق کے مطابق ہو اور

جسکو
ہر شخص خرید سکتا ہو ہمارے

شوروم
میں موجود ہیں۔
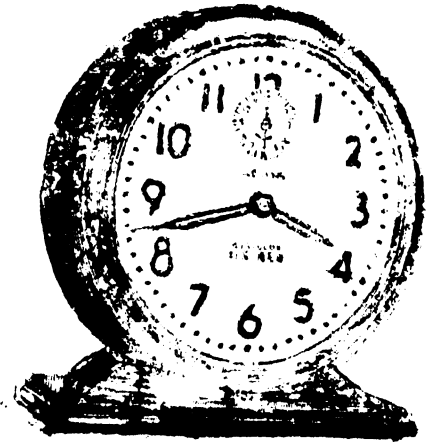
ان میں سے آپ اپنے پسند کی ضرور خرید کیجئے۔

جلال اینڈ سنس

ھیڈ آفس: ـ مدراس

تاجران اعلی گھڑیال و گورنمنٹ سپلائرز

شاخ ـ عابد روڈ حیدرآباد دکن۔

نمائش میں رکھنے کے قابل چینی کے
سیٹ
اپنے دسترخوان کی زینت کیلئے انتخاب کیجئے
اے۔ ایس عبد القادر
کراکری اینڈ ٹوئے امپوریم
جیمس اسٹریٹ
سکندرآباد ٹیلیفون ۶۰۵

جناب ماہر القادری صاحب

دورِ حاضر کی سیاست نے جہاں دماغوں کے لئے غور و فکر کی پیچیدہ راہیں پیدا کر دی ہیں، اور ذہنیتوں کو ایک ایسی فضا میں پہنچا دیا ہے، جو سمجھ میں نہ آنے والی صداؤں سے لبریز ہے، وہاں ایک ایسی عجیب و غریب زبان اور جدید ادب کو تخلیق کیا ہے، جس کو جتنا زیادہ سمجھا جائے اتنی ہی زیادہ پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔ بڑے بڑے سیاستدانوں کی تقریروں کو پڑھئے تو آپ کو نپے تلے الفاظ، محتاط اسلوب بیان، خوشنما مگر ٹھوس ترکیبیں نظر آئیں گی لیکن تقریر پڑھ چکنے کے بعد جب آپ اپنے دماغ کی قوتِ فہم و ادراک کی طرف متوجہ ہوں گے تو آپ کو جواب ملیگا:۔

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"

یہی "لاہوتی تقریریں" اخبارات میں موٹی موٹی سرخیوں اور جلی عنوانات کے ساتھ شایع کی جاتی ہیں، اخبارات میں ان پر نقد و تبصرہ کیا جاتا ہے اور انہی تقریروں سے کسی حکومت، انجمن یا ادارے کی پالیسی متعین ہوتی ہے، حالانکہ ان تقریروں کو ایک شخص بھی اچھی طرح نہیں سمجھتا جس کو خوش قسمتی سے کچھ اتا پتا مل جاتا ہے، تو وہ

"کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد"

کے مصداق، مقرر کی پالیسی کے آگے دم بخود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس "لا ادریت" اور مطالب و مفاہیم کی "بھول بھلیوں" کو کسی نہ کسی حد تک اگر برداشت بھی کر لیا جائے، تو مقرر کی اس "معنوی قلابازی" کو کسطرح گوارہ کیا جا سکتا ہے کہ دوسری ہی تقریر میں سابق تقریر کی ایسے عجیب و غریب انداز میں شرح کیجاتی ہے جس کو نہ تو "تائید" کہا جا سکتا ہے اور نہ "تردید"! اور پھر لطف یہ ہے کہ اس دوسری تقریر میں دانستہ طور پر لفظی الٹ پھیر، اور معنوی فریب کی کافی سے زیادہ گنجایش رکھی جاتی ہے زیادہ سمجھ دار لوگ کسی خاص موقع پر مقرر کی تقریر کا حوالہ دیکر ان مواعید کے ایفا کی یاددہانی کرتے ہیں۔ جو تقریر میں کئے گئے تھے لیکن مقرر "بت عشوہ گر" کی طرح صاف مکر جاتا ہے، تمام دنیا کہتی ہے کہ آپ نے تو صاف طور پر وعدہ کیا تھا" وہاں سے جواب ملتا ہے کہ ہماری تقریر کے غلط معنی لئے جا رہے ہیں، اول تو ہم نے وعدہ نہیں کیا تھا، اور اگر الفاظ کے کھینچ تان کو "مواعید" کی صورت دیدی جائے تو پھر ہم نے کچھ شرطیں بھی لگا لی تھیں۔ جن کے بغیر ایفائے عہد کا تصور بھی حماقت ہے۔ مقرر کے اس جواب پر لوگ خاموش ہو کر رہ جاتے ہیں۔

سیاست کا لٹریچر کتنا پر لطف مذاق ہے!

ایک وفد کسی ذمہ دار ہستی کی بارگاہ میں باریاب ہوتا ہے، وفد کا قاید اپنے مقاصد بیان کرتا ہے، قوی سے قوی دلائل اور واضح سے واضح براہین پیش کئے جاتے ہیں۔ وہاں ایک تبسم ناز کے بعد "زبان معجز ساز" اس طرح گویا ہوتی ہے:۔

ہم نے وفد کے مقاصد کو دلچسپی کے ساتھ سنا، ہم کو آپکے

مقاصد کیساتھ ایک حد تک ہمدردی ہے، ہم ذمہ دار
عہدیداروں سے دریافت کرنے کے بعد آپ کے مقاصد
پر غور کریں گے لیکن ہم آپ سے کوئی وعدہ نہیں کرسکتے۔
اور ہم یہ بھی نہیں بتاسکتے کہ آپ کو کب تک ہمارے جواب
کا انتظار کرنا پڑیگا۔ آپ لوگوں کو حکومت کی مشکلات کا
بھی خیال کرنا چاہئے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں آپکے
مقاصد، حکومت کے مقاصد سے متصادم تو نہوں گے۔

اب وفد کے ارکان میں اس جواب پر مباحثہ ہوتا ہے۔

ایک رکن: یعنی ہمارے مقاصد کو دلچسپی کے ساتھ سنا گیا' امید کی جھلک تو نظر آتی ہے۔

دوسرا رکن: ۔اور اظہار ہمدردی بھی تو کیا گیا ہے،

تیسرا رکن: ۔مقاصد پر بھی غور کیا جائے گا۔

چوتھا رکن: ۔معاف فرمائیے! آپ تینوں صاحبان خاک نہیں سمجھے، پہلے رکن کو "دلچسپی" کے لفظ نے دھوکے میں ڈالدیا۔ اور دوسرے "اظہار ہمدردی" کے فریب میں مبتلا ہوگئے، ارے بھائیو! "ایک حد تک" پر بھی غور کیا'

پانچواں رکن: ۔آخری جملے تو مایوس کن سے ہیں، مگر الفاظ کی احتیاط بتاتی ہے کہ ہمارے مقاصد کا یقیناً گہرا اثر پڑا ہے۔

جس طرح شعراء معشوق کی الجھی ہوئی زلفوں کو نہیں سلجھا سکے۔ بالکل اسی طرح ارکان وفد جواب کا کوئی صحیح مفہوم متعین نہیں کرسکتے۔

سیاست کی زبان "متمدن" دلچسپ "معمہ" ہے!

تقریر کا طلسم

کسی کونسل میں کسی مسئلہ پر گرما گرم بحث ہوتی ہے، حزب الاختلاف کے ارکان کے تند و تیز فقروں پر صدر کو بولنا پڑتا ہے۔ کونسل ہال تالیوں، قہقہوں اور چٹختی ہوئی انگلیوں کی آوازوں سے گونج جاتا ہے، آخر میں ایک صاحب اُٹھتے ہیں اور مخالف بنچوں پر غصہ و نفرت کی نظریں ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ۔

"معزز ارکان نے بڑے جوش کا اظہار فرمایا ہے، لیکن
جوش اور غصہ سے دلائل کی اہمیت میں کوئی اضافہ
نہیں ہوتا۔ مگر میں بہرحال اس جوش کی قدر کرتا ہوں
اگرچہ مجھے اس جوش نے تکلیف بھی پہنچائی ہے حکومت
پبلک کے جذبات کا ہر وقت احترام کرنے کیلئے تیار ہے،
مگر کسی چیز کے احترام اور اُس کے تسلیم کرنے میں بہت
فرق ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ زیر غور اسکیم
میں آپ کے مقاصد کیلئے رعایت رکھی جائیگی، مگر یہ
رعایت اُن حدود سے متجاوز نہ ہوگی جو میثاق ثانی
میں درج ہیں۔ میثاق میں افسوس ہے کہ کسی طرح کی ترمیم
نہیں ہوسکتی، لیکن کیا عجب ہے کہ جب اسکیم کے چلانے کا
وقت آئے تو میثاق میں کوئی جزوی ترمیم کردی جائے،
لیکن یہ ترمیم حکومت کے اعلےٰ ترین افسر اور ذمہ دار
رکن کے خیال کے مطابق ہوگی۔ آپ لوگ مطمئن رہیں
آپ کی بات سنی جائیگی اور آپ کو کسی نہ کسی حد تک مطمئن
کرنے کی کوشش کی جائے گی بشرطیکہ حالات نے اجازت دی"

اس "تقریر دلپذیر" کو پڑھیے اور بے اختیار جیب و گریبان کی دھجیاں اڑا دیجئے، مسکرائیے۔ ہنسیے، قہقہہ لگائیے، اور پھر: ۔

اشک سے دشت بھریں آہ سے سوکھیں دریا
مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں

بنکر رہ جائیے۔ اگر آپ کی سمجھ میں کچھ نہ آئے، تو اپنے سر کو کسی دیوار سے ٹکرا دیجئے، لیکن "سیاسیات" کے اس لق و دق صحرا میں آپ کو کوئی دیوار بھی نہ مل سکے گی، اور اگر تھوڑا بہت مطلب سمجھ میں آجائے تو خاموش رہئیے، "غنچۂ ناشگفتہ" سے بھی زیادہ خاموش۔ کیونکہ: ۔

محبت میں افشائے راز شدید ترین جرم ہے

سیاسی تقریریں آہ کتنی مزیدار ہوتی ہیں!

الفاظ کے دھوکے

یہ سیاسی ادب کے مخصوص جملے اور الفاظ ہیں جو اپنی جگہ فریب کے طلسم اور دھوکے کے گورکھ دھندے ہیں، ان میں سے چند یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

"اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی"

اس جملہ کو کہہ کر آپ ہمالیہ سے زیادہ بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں، جو چاہے فرمائیے، جو دل میں آئے کہے جائیے، دانستہ طور پر جھوٹ کے انبار لگا دیجئے، کوئی "متمدن" انسان آپ پر الزام دروغ بافی نہیں لگاسکتا!

اور اگر کوئی "غیر مہذب" چیں بچیں کرے تو فرما دیجئے کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا:-

"اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی"

میں تو اس کے بعد تمام دروغ بافیوں اور غلط بیانیوں سے بری ہو چکا۔

"میرے الفاظ کے غلط معنی لئے جارہے ہیں"

اس جملہ کو کہہ کر آپ اپنے کہے ہوئے تمام الفاظ کی تردید کر ڈالئے "نہیں" کو "ہاں" اور "سپید" کو "سیاہ" بنا دیجئے، بیدریغ ہتھیلی پر سرسوں جما دیجئے، اور طمانیت قلب کے ساتھ پانی کی موجوں پر سربفلک محل کھڑے کر دیجئے، لوگ کچھ کہیں آپ کسی کی نہ سنئے، سب کو بیوقوف جاہل اور کم فہم سمجھئے اور بدستور کہے جائیے۔

"میرے الفاظ کے غلط معنی لئے جارہے ہیں"

الفاظ آپ کی زبان سے نکلے ہیں، آپ ہی انکا صحیح مفہوم سمجھتے ہیں۔

"اگر حالات نے اجازت دی"

کہہ کر کسی وعدہ کا ایفاء نہ کیجئے، جب تک آپ کے مقاصد پورے نہیں ہوتے آپ کے حالات آپ کو اجازت کیوں دینے لگے، اگر کوئی کہے تو آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہہ دیجئے کہ میں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا

"اگر حالات نے اجازت دی"

میرے حالات نے مجھے اجازت نہیں دی، اسلئے مجھپر وعدہ پورا نہ کرنے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

"ایک حد تک"

یہ بڑا کارآمد ہے، اکثر جگہ استعمال ہوتا ہے، اور اس سے خوب کام نکلتا ہے آپ بھی سے یہ کہہ کر:-

"میں ایک حد تک آپ سے ہمدردی رکھتا ہوں"

اس شخص کے ساتھ قطعاً ہمدردی نہ کیجئے، بلکہ الٹا اس کو تباہ کر ڈالئے، وہ تڑپتا ہو تو آپ مسکرائیے وہ گر رہا ہو تو اسکو ٹھکرا دیجئے، وہ آپ سے کانٹا نکالنے کی درخواست کرے تو آپ اس کو نیز سا نشتر چبھو دیجئے، اس لئے کہ آپ نے اس سے "کامل ہمدردی" کا نہیں، بلکہ "ایک حد تک" ہمدردی کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ لہذا سیاست کی نگاہ میں آپ بے قصور ہیں۔

کسی امیدوار فضل وکرم سے

"اگر ممکن ہوا تو میں آپ کی امداد کرونگا"

کہہ کر آپ اس کی قطعاً مدد نہ کیجئے، آپ کا بس چلے تو اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر دیجئے آپ کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ آپ نے "بشرط امکان" اس کی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ جب شرط ہی پوری نہیں ہوئی، تو "مشروط" کا ذکر ہی کیا!

"اگر" "لیکن" "بالفرض" "غالباً" "بحد امکان" "بشرط صحت" وغیرہ اسی قبیل کے الفاظ ہیں، جن کے معنی ادب و زبان کی لغت میں کچھ اور لکھے ہیں، اور سیاست کی لغت میں اُن کا مفہوم کچھ اور ہے۔ جب کسی وعدہ کے سلسلہ میں "غالباً" کہا جاتا ہے، تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ:- یقیناً ایسا نہیں ہوگا۔

دستور اور معاہدے

دستور (کانسٹی ٹیوشن) اور معاہدوں کی زبان دیکھئے، تو طلسم اور زیادہ واضح طور پر نظر آئے گا۔ ایک جملہ بھی آپ کو ایسا نہ ملیگا جس کے "ایک" معنی متعین کئے جاسکیں۔ ہر دفع میں تاویلات کیلئے کافی سے زیادہ لچک رکھی جاتی ہے، اور ہر ضابطہ کی عبارت پر "اگر" اور "مگر" "چنیں اور چناں" کے اتنے نقاب ڈالے جاتے ہیں، کہ ان رنگین پردوں میں نگاہ بھٹکتی ہوئی پھرتی ہے۔ الفاظ بظاہر بہت سادہ ہوتے ہیں لیکن اس سادگی میں نیت کی تصنع اور ضمیر کی بناوٹ کا دریا متموج ہوتا ہے جب ان آئین وضوابط پر اعتراض کیا جاتا ہے، تو اس کی تشریحیں کی جاتی ہیں، یہ تشریحیں، مسئلہ کو اور زیادہ الجھن میں ڈالدیتی ہیں، یہ تشریحات اس بچہ کے سوال سے ملتی جلتی ہوتی ہیں، جس نے اپنے باپ سے کہا تھا:-

"ابا! آپ نے لڈو دینے کا وعدہ کیا تھا"

باپ نے جواب میں کہا:-

"بیٹا! میں نے کہا تو تھا مگر طلوع آفتاب کا منظر

خود ایک خواب شیریں ہے۔"

بچہ جواب سے مطمئن تو نہ ہوا، لیکن اس کے جذبہ نے غور وفکر کی شکل اختیار کرلی، جو الفاظ کے طلسم میں گم ہو کر رہ گیا۔

میں بڑے غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں، کہ یہ تمام الفاظ اور جملے ارادتاً استعمال کئے جاتے ہیں، نیت کے فریب اور دلوں کی کجی کو چھپانے کے لئے یہ خوشنما پٹیاں تیار کی جاتی ہیں، سیاسی ادب وزبان کا

سارا طلسم اسی مقصد کے لئے تعمیر ہوتا ہے کہ دروغ کو فروغ حاصل ہو منافقت اپنا کام کرسکے اور مصلحت وحالات کے اعتبار سے جس لفظ کو جو بھی چاہیں معنی پہنا دیئے جائیں، اور جس جملہ کی جیسی ضرورت ہو، اسکے مطابق تاویل کیجا سکے۔

جھوٹے مدعی آج تمام دنیا میں یہی ہورہا ہے، اور یورپ اس "بدعت" کا امام ہے۔ مثال کے طور پر "تخفیف اسلحہ" کی کانفرنس کو لیجئے، جن میں قریب تمام حکومتوں کے نمایندوں نے گلے پھاڑ پھاڑ کر، اور گردنیں ہلا ہلا کر تخفیف اسلحہ کی تجویزیں پیش کیں، کتنی کمیٹیاں قایم ہوئیں، کتنی دفعات مرتب ہوئیں، کسقدر تقریریں کی گئیں، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ الفاظ کا یہ طلسم زیادہ دن تک قایم نہ رہ سکا، تجاویز پیش کی گئی تھیں اسلحہ کی تخفیف کی اور ہوا یہ کہ اسلحہ میں اسقدر اضافہ کیا گیا، کہ گذشتہ دور کی تاریخ اسلحہ کی اس زیادتی کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اسلحہ کی اس زیادتی نے اٹلی کو ابھارا، جس نے حبش کو اپنے آہنی چنگل میں آخر دبوچ ہی لیا۔ جاپان نے چین پر حملہ کردیا اور آج مشرق کا ایک حصہ دھوئیں اور خون کے طوفان میں غرق ہورہا ہے، اسی قوت نے فلسطین کے ٹکڑے کردیئے، اور کیا خبر ہے کہ یہ فتنہ جنگ کے کتنے آتش نشانوں کو حرکت میں لاکر دم لیگا۔

اٹلی کو سب نے مجرم بنایا، اور واقعی وہ مجرم ہے بھی۔ مگر وہ سیاست کی اسی زبان میں اپنے کو "بیگناہ" ثابت کررہا ہے، جس زبان میں بہت سے اپنے کو "معصوم اور بے خطا" بتاتے رہتے ہیں، بہرحال موجودہ سیاسی ادب نے بعض خوشنما اصطلاحات کا تو ضرور اضافہ کردیا ہے، مگر ساتھ ہی اس کی بدولت بہت سے خوفناک فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے، اور اس زبان کے بولنے والے کا "دل" اس کی "زبان" کے ساتھ شاذونادر ہی متفق ہوتا ہے۔

آپ نے موجودہ سیاست کے معاہدوں، تقریروں، اور دستوروں کا حال دیکھ لیا، ہم خاتمہ سے قبل ایک ایسے صلحنامہ سے آپ کی نگاہوں کو روشناس کرانا چاہتے ہیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل معرض وجود میں آیا تھا، اور جس پر انسانیت کی تاریخ کو ناز ہے۔

صلح حدیبیہ یہ صلح حضرت سیدنا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے مابین ہوئی تھی، صلحنامہ کی شرطیں حسب ذیل تھیں۔

"امسال مسلمان واپس جائیں، وہ مکہ میں داخل نہیں ہوسکتے ہاں سال آئندہ زیارت کرسکتے ہیں، بشرطیکہ صرف تین دن سے زائد قیام نہ کریں، ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف ایک تلوار لاسکتے ہیں وہ بھی غلاف میں"

لڑائی دس سال تک موقوف رہے، دوست و دشمن آپس میں مل سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی قریشی بغیر اذن مدینہ چلا جائے تو واپس کردیا جائے گا، مگر جو شخص مدینہ سے مکہ چلا آئے وہ واپس نہ ہوگا"

عرب کے قبیلہ کا جی چاہے خواہ قریش سے معاہدہ کرلے یا محمد (ارواحنا لہم الفداہ) سے کچھ روک ٹوک نہ ہوگی۔

کیا اس صلحنامہ میں ایک لفظ بھی ایسا ہے، جس کی تاویل کیجا سکے، یا جس کو مختلف معنی پہنائے جاسکیں، صاف صاف باتیں، سیدھے سادے جملے نہ کوئی ژولیدگی، اور نہ کوئی ابہام! ایک جاہل سے جاہل شخص بھی اس صلحنامہ کا وہی مفہوم سمجھیگا، جو مفہوم ایک عالم اور مفکر کے ذہن میں آئے گا، صلحنامہ کا لفظ دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے، سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس صلحنامہ کے لفظ لفظ کی کس طرح پابندی کی، اسکا صحیح حال اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ جس وقت صلحنامہ لکھا گیا، عین اسی وقت سہیل بن عمر کے صاحبزادے ابوجندل جو مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے، اور اسلام قبول کرنیکے جرم میں کفار قریش کے ظلم ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے بھاگ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سرکار کے سامنے زمین پر گر کر اپنے زخم دکھائے، ابوجندل کا سنگدل باپ اٹھ کھڑا ہوا، اور زخمی بیٹے کے منھ پر طمانچہ مار کر اس نے کہا:۔

"محمد! صلح کے مطابق اس لڑکے کو جو مکہ سے بھاگ کر آیا ہے میرے حوالے کردو"

ابوجندل نے بلک بلک کر آہ وزاری کی:۔

"یارسول اللہ! کیا مجھے پھر مشرکین کی طرف لوٹا دیا جائے گا"

بڑے سخت امتحان کا وقت تھا، ایک طرف صحابہ کرام کی بے چینیاں تھیں، اور دوسری طرف ابوجندل کے زخموں سے بہتا ہوا خون تھا، لیکن معلوم ہے کہ سرکار دو عالم نے کیا جواب دیا:۔

"اے ابا جندل! صبر کر خدا تجھے اور تیرے ساتھ مستضعفین

کو اس مصیبت سے نجات دے گا اب ہم معاہدہ کر چکے بدعہدی نہیں ہو سکتی"

یہ ہے اسلام کی سیاست اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی کی ایک جھلک! اگر اس داستان کو طول دیا جائے تو ضخیم دفتر بھی اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔

شرم کرو! او تہذیب نو خوبی اور تمدن حاضر کے کمال! سیاست کے تیارِ عشوہ ساز! شرم سے پانی پانی ہو جاؤ، کہ تمہارے نقلی دھوکے دنیا کو جہنم بنائے ہوئے ہیں۔

ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ اشتراکیت، نوخوذیت، اشتمالیت اور فاسسٹیت کی تحریکوں ...... دنیا کو کبھی امن نصیب نہیں ہو سکتا، دنیا کے زخمی دل پر اسلام اور صرف اسلام ہی سکون کا مرہم رکھ سکتا ہے، وہ اسلام، جس کے قانون میں منافقت اور فریب بدترین گناہ ہے، جہاں دل اور زبان ایک ہوتے ہیں، جس کی جمہوریت تمام خانہ ساز جمہوریتوں سے زیادہ بلند اور اعلیٰ ہے، جس کے بنائے ہوئے قانون میں نہ بادشاہ کے لئے کوئی لچک ہے اور نہ دولتمند کے لئے کوئی رعایت! اسلامی حکومت کے خلیفہ کو ایک بڑھیا ٹوک سکتی ہے، ایک پھٹا حال راہگیر اس کا دامن پکڑ کر اپنا حق طلب کر سکتا ہے، اسلامی حکومت کا کلکٹر جب خیبر کے رہنے والوں سے خراج وصول کرنے کے لئے جاتا ہے تو شکست خوردہ کفار اس کے طرز عمل کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

" زمین و آسمان اسی انصاف کے سہارے قائم ہیں"

دنیا کو اختیار ہے، خواہ وہ برائی کو قبول کرے، یا نیکی کو، اندھیر میں رہنا پسند کرے، یا ظلمت میں،

کاش! توپ کی گرج، پیانو کے نغموں اور جام و ساغر کی کھنک میں میری کمزور آواز سنی جا سکے۔

قطعۂ تاریخ سالگرہ مبارک

از جناب میر کاظم علی صاحب برقؔ

مبارک سر کو جشن آصف ہفتم
سر روز عید شام سالگرہ

بعرض جشن تو تاریخ
... سالگرہ

۱۳۵۶ھ

از جناب صاحبزادہ میکشؔ (عثمانیہ)

بادۂ شوق نہین عشق کے پیمانون مین — لطفِ سجدہ نہین تخیل کے بت خانوں مین
کیفِ رومان نہین زیست کے افسانون مین — جوشِ ارمان نہین شوق کے کاشانون مین

میری آشفتہ مزاجی سے پشیمان نہ رہو — سوختہ جاں نہ رہو، سوختہ ساماں نہ رہو
کھوے کھوے سے ہوئے یون بہ گریبان نہ رہو — میں اگر دور ہون تم سے تو پریشاں نہ رہو

بےخود حسن فراموش ہی رہنے دو مجھے — جوشِ نالہ نہین خاموش ہی رہنے دو مجھے
خوگرِ رنج ہون، غم کوش ہی رہنے دو مجھے — میں جو روپوش ہون روپوش ہی رہنے دو مجھے

حسن افسردہ ہوا دکارگران جانی مین — کشتیٔ ناز ہے عشق کی طغیانی مین
چشم مخمور رہین، محو دُر افشانی مین — مین بھلا دیکھہ سکوں تم کو پریشانی مین

بزمِ رنگین مین اپنی نہ بلاؤ مجھ کو — حسن کے کیف سے بےخود نہ بناؤ مجھ کو
آپ بیتی کی حکایت نہ سناؤ مجھ کو — اب نہین چھیڑ مین لذت نہ ستاؤ مجھ کو

دل پہ امید کا ہر نقش حباب آسا ہے — لذت شوق کا ہر لمحہ ستم افزا ہے
یہ غلط ہے کہ ہر آغوشِ تمنا وا ہے — لو گرفتار بلا ہو ابھی دیکھا کیا ہے

چشمِ خونبار مین وہ شوقِ تماشا نہ رہا — دلِ بےتاب مین وہ جوشِ تمنا نہ رہا
مئے دیدار مین وہ نشۂ صہبا نہ رہا — تم مناؤ تو مین من جاؤن اب ایسا نہ رہا

یہ قدرت کے بنائے ہوئے شہکار ہو تم — ارضِ تاریک پہ فردوس کے انوار ہو تم
مانتا ہون کہ ہمیشہ سے وفادار ہو تم — کیون مری یاد مین لذت کش آزار ہو تم

چاہتا ہون کہ مرا پاس نہ ہونے پائے — مرے جذبات کا احساس نہ ہونے پائے
لذت یاس مین ہون آس نہ ہونے پائے — مجھ کو یہ عہدِ کرم راس نہ ہونے پائے

بھول جاؤ مجھے کیون یاد کیا کرتے ہو

(برغزل مولوی سید امین احسن صاحب نسبل ناظم اول دیوانی بلدہ)

(از حضرت احسن مارہروی)

میں ہوں رقیب سب کو رقابت مجھی سے ہے
ہو بالکنایہ یا بہ صراحت مجھی سے ہے
سنئے اگر تلاش حقیقت مجھی سے ہے
ان کو جو التفات کی عادت مجھی سے ہے
گویا زمانہ بھر کو شکایت مجھی سے ہے

مانا کہ جاں نثاروں میں انکے ہے اک جہاں
بالفرض ان کے دل میں کوئی اور ہے نہاں
لیکن یہ حسنِ ظن ہے کسی اور کو کہاں
وہ سادگی سے بزم میں ہیں مجھ پہ مہرباں
میں یہ سمجھ رہا ہوں محبت مجھی سے ہے

عاشق کوئی امیر ہو اس کا کہ ہو غریب
پرسش نہیں کسی کی رہے دور یا قریب
ہو آشنا کہ غیر نگہباں ہو یا رقیب
اور دل سے کچھ غرض نہیں اللہ رے نصیب
اس فتنہ خو کو ہے جو عداوت مجھی سے ہے

باتیں بنا بنا کے یہ ایک بات پائی ہے
مل جل کے باہم ان سے طبیعت ملائی ہے
ترکیب راہ و رسم کی ہم نے بتائی ہے
میرے ہی عشق نے انہیں نرمی سکھائی ہے
آغاز کاروبارِ عنایت مجھی سے ہے

چرچا جو میرے مرگ مفاجات کا ہوا
پہلے تو شک پھر ان کو یقین جب ذرا ہوا
یوں بعد مرگ حق عبادت ادا ہوا
وہ قبر پر کھڑے ہوئے کہتے ہیں کیا ہوا
مجھ کشتۂ الم کی عیادت مجھی سے ہے

نازک مزاج حد سے سوا بالیقین ہے وہ
ظاہر ہے صاف ادا سے کہ چین بر جبیں ہے وہ
مجھ کو غرض کسی سے اگر خشمگیں ہے وہ
میری نگاہِ شوق سے برہم نہیں ہے وہ
میدان حشر میں یہ رعایت مجھی سے ہے

گلگشت باغ میں ہو کہ مصروف شغل مے
اس کو غرض کسی سے نہیں ہے یہ بات طے
درباں کی کیا بساط ہے ہمراز کیا ہے شئے
محفل طرازیوں کا ہے گر ذکر مجھ سے ہے
دشمن فریبیوں کی حکایت مجھی سے ہے

ہے لذت ستم کا سوا میرے کس کو ذوق
گردن ہے میری اور محبت کا اس کے طوق
کیوں امتحانِ ضبط میں احسن کو ہو نہ شوق
نسبل نہیں وہ غیر سے صبر آزمائے شوق
اس حیلہ جو کی ساری متانت مجھی سے ہے

MUNNA LAL
BANKERS
ONKARMUL

از جناب محمد عبد السلام صاحب ذکی بی اے (عثمانیہ)

مبد فیض میں جتنا ہو خدا سے لے لو
مانگنے والو اٹھا ہاتھ دعا سے لے لو

ساز لو شمع سے اور سوز لو پروانے سے
اور حیاتِ ابدی آب بقا سے لے لو

حسن اور عشق سے لو بیخودی اور کیف و سرور
فرحت انگیزیٔ دل بادِ صبا سے لے لو

مہرِ روشن سے چمک اور گہر دریا سے
مستی بادہ کی تاثیر ہوا سے لے لو

رنگ زیبائے فلک حسن بیاں کی خاطر
شفق شام کی رنگین فضا سے لے لو

پانی کوثر سے تو جنت سے نسیم جاں بخش
اور نسیم کو گل تر کی ادا سے لے لو

خواب شیریں لو عسل سے تو گلوں سے خوشبو
اور نغمات کو بلبل کی نوا سے لے لو

پر پرواز لو پریوں سے سلیمان سے تخت
طرز تقریر کو موسیٰ کی ادا سے لے لو

فصل گل سے لو نمو اور مسیحا سے نفس
جتنی رعنائیاں ہو گل کی قبا سے لے لو

امن کعبے سے مدینے سے نوید برکت
تازگی گلشن رضواں کی ہوا سے لے لو

علم اسرار حیات ابدی کے ہیں جو درس
حضرت خضر کے پیغام بقا سے لے لو

ساحل بحر سے کردار لو خودداری کا
عزم و پامردی پہاڑوں کی ادا سے لے لو

فکر کیا ہے تمہیں دنیا کی مے غم کا فرماں

اہل جاپان سے لو شاہ پرستی کا سبق
درس حب وطنی اہل ولا سے لے لو

سیکھو سوجوں سے جدا ہو کے بہم مل جانا
اور کچھ درس وفا اہل وفا سے لے لو

عافیت اور خوشی گلشن فردوس سے لو
صحت ملک کو قانون شفا سے لے لو

اور افلاک سے لو اطلس و دیبا و حریر
چتر گلکار کواکب کی سبھا سے لے لو

لے لو اقبال کو یورپ سے تو ایران سے حشم
جوش ہمت عربستاں کی ادا سے لے لو

شاہ کی سالگرہ کی مبارک تقریب
خرمی آج مسرت کی فضا سے لے لو

تم سے ہو سکتا ہو گر شاہ کے احساں کا حساب
مینھ کے قطروں سے رحمت کی گھٹا سے لے لو

مانگو عمر خضری حضرت عثماں کے لیے
اور تاثیر دعا لطف خدا سے لے لو

جب تلک مہ رہے محتاج عطائے خورشید
جب تلک مہر کے پرتو سے ضیا کو لے لو

جب تلک فصل بہاراں سے ہے گلشن کی نمو
جب تلک پھول کو آغوش صبا سے لے لو

جب تلک چرخ بریں میں ہیں منور انجم
جب تلک بہر زمیں نور سما سے لے لو

زیر فرمان ہے جب وقت تلک شاہ کے ملک
اے ذکی مقصد دل فضل خدا سے لے لو

گوہر جود و کرم دست عطا سے لے لو

"زبانِ اردو کی کہانی"

ایک شاعر کی زبانی

از

جناب محمد حبیب اللہ صاحب ضا اوج متعلم بی ایس سی (عثمانیہ)

ایک معصوم صفت بھولی سی نازک لڑکی
تھی یہ مجموعۂ اطوار و اوصافِ تمام
کچھ دنوں لکھنو دہلی میں رہی یہ زبان
بڑھتے بڑھتے یہ مہ نو ہوا بدر کامل تو
اس کے گرویدہ ہوئے سارے امیر اور غریب
ایک عالم میں لگے ہونے اسی کے چرچے
ہر کہ و مہ اسے جھک جھک کے کیا کرتے سلام
اس کے اطوار پہ ہر دل سے دعائیں نکلیں
"میرؔ" نے اپنی غریبی میں بھی پالا اس کو
"دردؔ" نے درد میں راحت بھی اس سے پائی
آتش عشق کو آتشؔ نے بجھایا اسنے
اپنی شہرت کا ہے ممنون اسی سے انشاؔ
"ذوقؔ" نے اس سے جوان بخت کا سہرا باندھا
تھی غریب الوطنی میں یہ ظفرؔ کی دمساز
چند دن حالیؔ نے رو رو کے رلایا ہے اسے
اس سے "شکوہ" کیا اقبالؔ نے اللہ سے بھی
لیکن اک رنگ زمانے کا نہیں ہوتا ہے
ساتھ قسمت بھی زمانے کا دے یہ کس کے نصیب
ظاہری دوست تھے پر دل میں عداوت تھی بھری

سایۂ عاطفتِ شاہجہاں میں جو پلی
پیار سے اسکا زمانے نے رکھا اردو نام
اس پہ تھی نظرِ عنایاتِ ملوک و شاہان
اسکی نظروں کا ہوا ایک زمانہ گھائل
رفتہ رفتہ ہوئی پردیسیوں کی بھی یہ حبیب
لیں جو شہرت نے بلائیں تو اثر نے صدقے
اسکے عشاق میں سنتے تھے ولیؔ کا ہم نام
"جانؔ" صدقے گئی "بیگمؔ" نے بلائیں لے لیں
اور "مومنؔ" نے بھی حکمت سے سنبھالا اسکو
"سوزؔ" کو کرب میں بھی نیند اسی سے آئی
اور سعادتؔ کو بھی "رنگینؔ" بنایا اسنے
اس سے ہی عشق کا "سوداؔ" نے خریدا سودا
اور شہرت پہ "امیدؔ" اس سے ہی غالبؔ آیا
اور شاہی کے زمانے میں یہی تھی ہم راز
اور اکبرؔ نے بھی ہنس ہنس کے ہنسایا ہے اسے
ملگیا انکو جواب اس میں ہی اللہ سے بھی
آج گردش میں کہیں کل کو کہیں ہوتا ہے
آخرش ایک گروہ ہوگیا اس کا بھی رقیب
تاک میں رہتے تھے لے لے کے چھری زہر بجھی

اس کی ناموس و شہرت کے ہوئے یہ درپے
بر سرِ عام اسے رسوا کیا چپکے چپکے

غیر تو غیر تھے اپنوں نے بھی منھ موڑ لیا
اس سے رشتہ کو تڑا غیر سے جھٹ جوڑ لیا

خار کی طرح سے آنکھوں میں کھٹکتی تھی یہ
خانہ بر دوش سی ہر جا پہ بھٹکتی تھی یہ

حق میں دشمن کے بھی تب دیکے دعا وہ نکلی
چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح وہ نکلی

لڑکھڑاتی ہوئی آخر وہ دکن میں پہنچی
خوش نصیبی تھی کہ اس رشکِ چمن میں پہنچی

سایۂ عاطفتِ شاہ میں آئی آخر
اسکی قسمت تھی ظلِ اللہ میں آئی آخر

ہو کے بیمار وہ تب پیشِ مسیحا آئی
"یوسف ثانی" کے حضور "رشکِ زلیخا" آئی

اے خوشا روز کہ تو آمدی در محفل ما
مثلِ لیلیٰ تو شدی زینتِ این محمل ما

شاہ کے دستِ مسیحا سے ہوئی پھر زندہ
اس کی قسمت کا ستارہ ہوا پھر تابندہ

اس کے سوئے ہوئے مقسوم جگائے شہ نے
چار چاند اسکے نصیبے میں لگائے شہ نے

بنکے دلہن وہ ہوئی محفلِ فن کی زینت
شاہ نے "جامعہ" کی بخشی اسی سے عزت

"جامعہ" علم کے گلشن کا وہ رنگین پودا
"شاہ عثمان" نے محنت سے جسے ہے سینچا

معدنِ علم و ہنر، کانِ عمل و حکمت
جسکے جوہر سے بڑھی ملکِ دکن کی زینت

آج ہے جس سے رواں علم و عمل کا سیلاب
کرتا ہے گلشنِ حکمت کو جو ہر دم شاداب

جیسے اللہ کی رحمت کا اثر طاری ہے
آج اس جامعہ میں "اردو زبان" جاری ہے

اپنی تقدیر پہ نازاں ہوا اے اردو زبان
تیرا حامی "شہ شاہان" ہے "نظامِ دوران"

شکر کر آج ترے در پہ ہے شہرت کا ہجوم
تو کہ ہے باعثِ خوش طبعیٔ سلطان العلوم

تا قیامت تجھے اب خوف و خطر کس کا ہے؟
تیرا سرتاج ہے عثمان تو ڈر کس کا ہے؟

ظاہر میں عیاں کیا ہے، یہ مجھ سے پوچھو
باطن میں نہاں کیا ہے، یہ مجھ سے پوچھو
میں ہر دو جہاں کے راز سے واقف ہوں
رازِ دو جہاں کیا ہے، یہ مجھ سے پوچھو

دنیا کا مزاج کیا ہے، مجھ سے پوچھو
کل کیا تھا، اور آج کیا ہے، مجھ سے پوچھو
اے تلخیٔ ایام کے شکوہ سنجو
اس دکھ کا علاج کیا ہے، مجھ سے پوچھو

(حکیم آزاد انصاری)

(از جناب عبدالباری صاحب مغنی اجمیری)

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یہ دنیا کے اس آفتاب کا ذکر نہین ہے، جس کے طلوع وغروب کا تماشا دنیا والے ہر صبح وشام روزانہ دیکھتے رہتے ہین ۔ اور خدا جانے کب تک دیکھتے رہین گے، بلکہ اس وقت میری مراد اس آفتاب دین و ملت سے ہے جو اپنی جلالت شان اور عظمت مرتبت کے باعث دنیا کے آفتاب سے بہرصورت ممتاز ہے ۔

اگر دنیا کا آفتاب افق شرق سے برآمد ہوکر دنیا والوں پر نور برساتا ہے اور اس کی روشنی سے کرۂ ارضی کی ہر سطح معمورۂ انوار ہوجاتی ہے تو دین وملت کا یہ آفتاب جس نے مشرق سے طلوع ہوکر، مغرب والون سے بھی اپنی عظمت وجلالت کا خراج اعتراف وصول فرمایا ہے ۔ نور پاشیون مین آسمانی آفتاب سے بھی زیادہ پرچشم اور فیاض ہے کیونکہ اپنی نورانی شعاعون سے ظاہری سطحون کے علاوہ دلون کے باطنی گوشون کو بھی روشن اور درخشان بنائے ہوئے ہے ۔

اگر دنیا کے چوتھے آسمان والے آفتاب کی ضوباریون سے خاک کے ہر ذرے کی پیشانی تارون کی طرح جگمگا اٹھتی ہے تو حکمرانی کے ساتوین آسمان والے اس آفتاب ہدایت سے اکتساب نور کرکے انسانی افراد کی قسمتون کے تارے آسمانی چاند سورج کو شرما رہے ہین ۔

اگر دنیا کے آفتاب کی توجہ سے اس خاکدان عالم کی ہر چیز اپنی قابلیت وصلاحیت کے مطابق بلاتخصیص مستفید ہوتی ہے تو دین و ملت کے اس آفتاب عالمتاب کے چشمۂ بذل ونوال سے فرزندان آدم اپنی اپنی لیاقت واہلیت کے مطابق بلاتفریق مذہب وملت استفادہ مین مصروف ہین ۔

اگر آسمان پر چمکنے والے سورج کی عنایت سے نباتات قوت بالیدگی حاصل کرکے نشوونما پاتے ہین۔ پھول اس کی تجلیات سے رنگینیاں دام کرتے ہین، پھول اس کی مہربانیون سے اپنے اپنے جام بھرتے ہین، اور حیوانات پرورش پاتے ہین ۔ تو اورنگ سلطنت سے جلوہ دینے والے اس آفتاب ملت کے فیضان عام نے علوم وفنون کے ایسے سدابہار باغ لگادئے ہین جن مین چمنستان انسانیت کے نونہال پرورش پارہے ہین ۔ ترقیوں کے رنگارنگ پھول کھل رہے ہین ۔ تمناؤں اور امیدون کے پھل پک رہے ہین، اور اشرف المخلوقات انسان ہی نہین بلکہ انسانیت پرورش پارہی ہے

اگر سورج کی کرنین، سمندر کے پانی مین ڈوب کر اپنی حرارت باطنی سے پانی کو ہوا کی صورت مین تبدیل کرکے، بادلون کے کاندھون پر

چڑھا دیتی ہیں اور آسمانی فضا کے برودت سے یہی بادل دنیا کو سیراب کرتے ہیں، تو اس آفتاب دین کی عالمگیر شعاعیں، بحر رحمت میں نہا کر، سحاب کرم اڑا رہی ہیں اور بلا قید موسم مخلوق الٰہی کے سر پہ ہر وقت جود و عطا کے موتی برسا رہی ہیں ۔ آفتاب روز مشرق سے نکلتا ہے، مغرب میں ڈوب جاتا ہے ۔ اس کی روشنی رات کی سیاہی میں تحلیل ہو کر رہجاتی ہے ۔ مگر دین و ملت کے اس آفتاب کا نورانی پرتو، رات دن کی ہر ساعت میں کاشانۂ سلطنت کو بیت المعمور بنائے ہوئے ہے اور اپنے وابستگان دولت پر اپنے دامان کرم کا سایہ کئے ہوئے ہے ۔ اور جب تک زمین پر آسمان قائم ہے اور آسمان پر آفتاب درخشان ہوتا رہے گا ۔ ملت کے اس نیر تابان کی روشنی پھیلتی ہی رہے گی ۔ بڑھتی ہی جائے گا ۔ اور جب تک مورخ کے ہاتھ میں قلم، اور قلم میں صلاحیت تحریر موجود ہے اور تاریخی داستانیں بیان ہوتی رہیں گی، "زمانہ" دین و ملت کے اس آفتاب کی تعریف کے گیت ہمیشہ زبان حال سے گاتا رہیگا ۔

فانک شمس والملوک کواکب

اذا طلعت لم یبد منھن کوکب

وہ آفتاب جس کے سایہ میں نہ صرف دکن والے چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ ایک عالم اسلام طمانیت کے سانس لے رہا ہے ۔

ہمہ آسودہ زیر سایۂ لطف نوازش
عرب ممنون انعامش عجم مرہون احسانش

وہ آفتاب جس کے نورانی اجالے میں علمی، فنی، ادبی، معاشرتی تمدنی، اقتصادی، تجارتی ۔ اخلاقی، غرض دینی اور دنیاوی ترقیوں کی شاہراہیں مخلوق کو نظر آ رہی ہیں ۔ اور ہدایت یافتگان منزل ارتقا اس طرح رطب اللسان ہیں ۔

بلطف آصف جم مرتبہ ہمی نازم
چہ شکر گو مبش الطاف او فراوان است

وہ آفتاب جسنے اپنے درخشندہ اقوال و اعمال سے "اُولی الامر منکم" کی صحیح تفسیر، اور "امیر المومنین" کے اصلاحی معنی کو واضح فرما کر، اسلام اور بادشاہت کی غرض و غایت کو روشن فرما دیا اور دنیا پکار اٹھی، ؎

نہ اندر وجود پاک تو اے ظل سبحانی * جہانگیری ۔ جہانداری، جہانشاہی ۔ جہانبانی

اور وہ شمس الملتہ والدین' جس نے اپنی حرارت ایمانی سے خاکساران علم و عمل کے قالبوں میں، کردار و عمل کی ایک نئی روح پھونکدی' اور اپنی ذات سراپا آیات سے مفہوم ذیل کی جیتی جاگتی تصویر دنیا کے سامنے پیش کردی کہ

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

غرض حقیقت یہ ہے کہ شمس الملتہ والدین کا لقب شہریار دکن کا جزو نام ہو کر جس قدر چمکا ہے ۔ اس کی تابناکی اور درخشانی کا اندازہ لگانا مجھ ایسے تہی مایۂ علم و فن کیلئے' جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے ۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایان
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

عہد عثمانی کی تصنیفات پڑھیں شمس الملتہ والدین کے دور حکمرانی کی برکتیں دیکھیں، سلطان العلوم کے دریائے کرم کی روانی اور اس کی فیض رسانی کا مطالعہ کیا ۔ ظل سبحانی کے الطاف خسروانہ سے بہرہ اندوز ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ امیر المومنین کے اسوۂ حسنہ کے تذکروں نے سامعہ نوازی فرمائی ۔ مگر اتنی مقدرت کہاں ؟ کہ ان کا استقصا کر سکوں ۔ اتنی استطاعت کہاں ؟ کہ بحر ذخار کی گوناگوں موجوں کو ایک کوزہ میں اور آفتاب عالمتاب کی بیحساب کرنوں کو ایک گوشہ میں سمو سکوں ۔

آفتاب جلوہ گر ہے اس کی روشنی عام ہے ۔ اس کا فیضان عالمگیر ہے ۔ خوش نصیب اور بلند اقبال ہیں وہ رجال جن کے دامن اس کے جلوؤں سے لبریز ہیں ۔ جن کی آنکھیں اس کے پرتو سے روشن ہیں جن کی قسمتیں اس کے فیضان سے بہرہ یاب ہیں ۔ اور بدقسمت و حرمان نصیب ہیں وہ لوگ جو یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی محروم ہیں' انکی آنکھیں بند ہیں ان کے دل خالی ہیں ان کے نصیب سوئے ہوئے ہیں' اصل یہ ہے کہ اگرچہ آفتاب وہی ایک ہے ۔ اور اس کی روشنی سب پر یکساں پڑ رہی ہے ۔ مگر طبیعت و ظرف کے اختلاف اور قابلیت و استعداد کے فرق سے آفتاب کی تاثیرات بدلتی رہتی ہیں، نونہالان چمن دھوپ کھا کر پھولتے پھلتے ہیں ۔ تو زمین شور کی گیاہ سبز خس و خاشاک ہو کر رہجاتی ہے" تمازت آفتاب کی بدولت، پہاڑوں کے

سینوں سے شفاف پانی کے چشمے ابل پڑتے ہیں، نور کا ہوا آب کثیف متعفن ہوجاتا ہے۔ پھل سب ہی پکتے ہیں مگر اپنی اپنی اصلیت خاصیت کے مطابق اچھا اور برا مزہ دیتے ہیں، پھول سب ہی کھلتے ہیں مگر اپنی اپنی ماہیت وطبیعت کے اعتبار سے اپنا اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ اور خوشبو یا بدبو کے حامل ہوتے ہیں۔ میوے اپنے اپنے درختوں پر رہکر قوت نمو حاصل کرتے ہیں مگر درخت سے جدا ہوکر تمازت آفتاب کی تاب نہیں لاتے اور خراب ہوجاتے ہیں، تو پھر اس میں آفتاب کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ ظرف واستعداد کا فتور ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

خود حضرت ظل سبحانی کا ارشاد ہے۔ اور ایسا ارشاد ہے کہ اس کا ایک ایک حرف یقین کی روشنی میں دل کی لوح پر لکھ لینے کے قابل ہے۔ وہو ہذا۔

"انسان کا جتنا ظرف ہوگا، اتنا ہی رشد وہدایت حاصل کرےگا، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کہ ماں بچہ کو دودہ پلاتی ہے۔ لیکن یہ نہیں کہتی کہ اسے کتنا پینا چاہیئے، بلکہ چھاتی منہ میں دیدیتی ہے۔ اس کے بعد بچہ کو اختیار ہوتا ہے کہ جتنا چاہیے پیئے یا نہ پیئے۔ درآں حالیکہ ماں بچہ کی استعداد پر نظر رکھتی ہے۔ کیونکہ اسی معیار سے آیندہ اس کا جوہر اصلی ماں کو پرکنا ہے"

سبحان اللہ، یہ حکیمانہ تمثیل کتنی عام فہم اور دلنشین ہے اور ایک کم سمجھ انسان بھی ظرف واستعداد کے اس نکتۂ اختلاف کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ۔

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے

دعائے بیخبری

از جناب شاہد صدیقی

نہ اب خیال گریباں نہ ہوش بخیہ گری
تری نگاہ نے بخشا ہے کیف بے خبری

سکون یاس بڑی چیز ہے محبت میں
مجھے پسند نہیں اہتمام چارہ گری

ترے ستم کا نتیجہ ہے غم کی رسوائی
فغاں سے بڑھ کے ہے میری فغاں کی بے اثری

میری لطیف عبادت کو کوئی کیا جانے
ترا خیال ہے میرا وظیفۂ سحری

کچھ اس ادا سے اٹھایا نقاب رخ تو نے
کہ میں نے کرہی لیا اعتراف کم نظری

میرے سکوت سے ظاہر ہے تیری یاتو لئے
جفا کی نغمہ سرائی وفا کی نوحہ گری

خدا کرے کہ مجھے ہوش زندگی نہ رہے
ترا کرم ہو تو احساس عشق بھی نہ رہے

ہندوستان کا اصل معنوں میں پہلا جنگل فلم، جس میں شیر ببر، ہاتھی، مگرمچھ، بوزینہ

اور

دوسرے جنگلی جانوروں کا کام ہے

زمبو
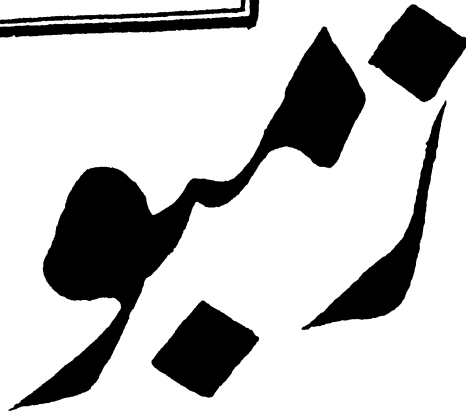
جنگلی جانوروں کا کام اس فلم کی صرف ایک خصوصیت ہے قصہ کی بے انتہا دلچسپی سائنس کے کرشمے وغیرہ اسکی علاوہ ہیں

پیالیس ٹاکیز میں دیکھئے

نیا میلی - نوین یاگنگ وغیرہ وغیرہ

سبحان اللہ!!!

چارکمان برانڈ پینٹ۔ وارنش وغیرہ جو سو فیصدی ملکی اشیاء سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ولایتی مال سے بھی بہتر ثابت ہوئے!!

آپ بھی اپنی جملہ ضروریات کے لئے آئندہ اسی کارخانہ کا مال استعمال کریں تاکہ ملکی صنعت کو فروغ ہو

چارکمان

المشتہر:۔ رحیم بخش خاں پروپرائٹر
دی حیدرآباد نیشنل انڈسٹریز
کارخانہ رحیم آباد ونگم پلی
صدر دفتر شاہراہ عثمانی
ڈپو
رزیڈنسی مین گیٹ

THE HYDERABAD NATIONAL INDUSTRIES
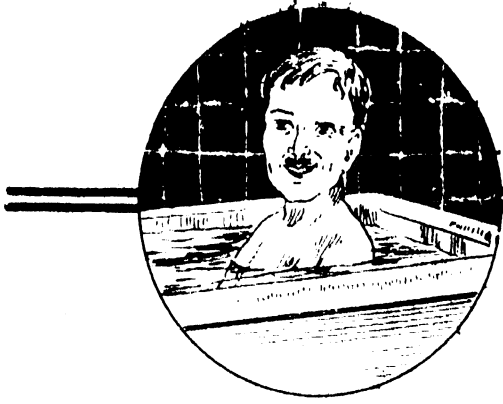
دواؤن سے اپنا پیٹ نہ بھریئے

سہل اور سریع التاثیر بیرونی علاج

جب مرض کی صحیح تشخیص دشوار ہوتی ہے تو مریض اطبا کا تختۂ مشق بنجاتا ہے اور مختلف تجویزون کے مطابق صدہا قسم کی دوائین محض اس وجہ سے حلق سے اترجاتی ہین کہ ان کے اثرات سے صحیح تشخیص ممکن ہوسکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض پر مایوسی غالب آجاتی ہے اور وہ تنگ آکر علاج سے بددل ہوجاتا ہے۔

مگر زمانۂ قدیم کا ایک ایسا طریقۂ علاج بھی ہے کہ جسمین دواؤن کی ضرورت نہین پڑتی اور مریض آسانی کیساتھ معمولی بیرونی علاج سے تندرست ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ اس طریقہ مین مختلف امراض کے دفعیہ کے لئے معمولی سی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے تشخیص کا سوال اس قدر اہمیت نہین رکھتا جیسا کہ دوسرے طریقہ ہائے علاج مین۔

پانی اور بھاپ دفعیہ امراض کیلئے حیرت انگیز طور پر سریع التاثیر ثابت ہوئے ہین ان کو مختلف امراض مین مختلف طریقون پر استعمال کرنیسے جو نتائج برآمد ہوئے ہین وہ نہایت اطمینان بخش ہین۔ اور اکثر ایسے مریض اس علاج سے شفایاب ہوئے ہین جو کسی دوسرے طریقہ سے نہ ہوسکے تھے۔ اس علاج کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک سہل ترین بیرونی علاج ہے جسمین کوئی دقت یا تکلیف نہین ہوتی۔ اور جو کسی حالت مین بھی مضر ثابت نہین ہوتا۔

مین اس طریقہ علاج کے متعلق ۳۵ سالہ تجربہ رکھتا ہون۔ اور مین یقین کرتا ہون کہ یہ طریقہ علاج ـ دمہ۔ گٹھیا۔ تپ دق۔ ذیابیطس۔ جلدی امراض معدے کے امراض۔ دماغی امراض۔ جگر کے امراض۔ کان۔ ناک آنکھ کے امراض قبض دائمی پیچش۔ اسہال۔ درد گردہ۔ فالج۔ خون کی خرابی اور درد باؤ۔ سوزاک یا آتشک۔ کمزوری باہ۔ مثانہ کی خرابی۔ موٹاپن۔ لاغری۔ اور بچوں و عورتون کے مخصوص امراض مین خصوصاً اور دیگر عام امراض میں عموماً نہایت مفید اور سریع الاثر ثابت ہوتا ہے۔

ایک تازہ صداقتنامہ

مسٹر گوپال کشن برلید صر خلف اکبر دیوان بہادر رام گوپال لکشمی نارائن مرحوم

میں بمسرت تصدیق کرتا ہون کہ میرا علاج بجور کے مشہور ڈاکٹر کویراج کیرتی دیو شرما نے پانی اور مٹی کے پلاسٹر سے نہایت کامیابی کے ساتھ کیا۔

مجھے اس امر کا یقین ہوگیا ہے کہ جو علاج قدرتی ذرائع سے کیمیائی طریقہ پر شرما صاحب جیسے ماہر فن سے کرایا جائے وہ دوسرے کسی طریقہ سے زیادہ مفید ہوگا شرما صاحب ایک خدا ترس انسان ہونیکی وجہ سے اپنے مریضون کے علاج مین خاص توجہ سے کام لیتے ہین میں ان کی کامیابی کیلئے دعا کرتا ہون۔

مین عام مریضونکو اور خصوصاً ان حضرات کو جو مسلسل علاج سے پریشان ہوچکے ہین اس طریقہ علاج کو آزمانیکی دعوت دیتا ہون

(ڈاکٹر) کیرتی دیو شرما

ایکسلسیر بلڈنگ۔ شاہراہ عثمانی

صبا

PHONE No. 581
فون نمبر (۵۸۱)
RELIANCE ENGINEERING HOUSE
RELIANCE
ENGINEERING
HOUSE
خصوصیت کا خیال رکھئے
سلطنت آصفیہ میں آبرسانی و باغبانی کا واحد مرکز
زراعت و باغبانی و آبرسانی و جدید مکانات کے لئے پائپ
فٹنگ و پمپ وغیرہ کا بالکل مفت ہمارے تجربہ کار انجینیر سے
اسٹیمیٹ بنوائیے۔ جملہ سامان بہ نسبت دوسری جگہ سے ارزاں ملتا ہے
ریلائنس انجینیرنگ ہوس
سند یافتہ گتہ دار آبرسانی و گورنمنٹ سپلائیر
افضل گنج
حیدرآباد دکن
دکن
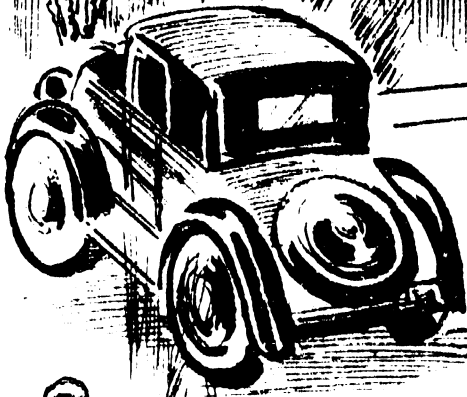
جناب ماہر القادری صاحب

جہان مین نقشِ وفا چھوڑکر گذرتا جا — حُنین وبدر کے خاکوں مین رنگ بھرتا جا
نگاہِ دہر ہے پھر بُوقبیس کی جانب — جہاں پہ نورفشاں ہوکے خود نکھرتا جا
جہانِ شوق مین ساغر بکف ہے ہر ذرہ — شرابِ عشق سے ان ساغروں کو بھرتا جا
مٹا سکے نہ جسے انقلابِ مستقبل — جبینِ دہر پہ اک ایسا نقش کرتا جا
جھکا جھکا کے سرِ کبر کز نظر کو بلند — مٹا مٹا کے نقوشِ خودی اُبھرتا جا
قسم ہے پائے محمدؐ کی ٹھوکرون کی تجھے — گذر رہا ہے تو پتھر کو نرم کرتا جا

حرا سے پھر کوئی نغمہ سنا رہا ہے تجھے
قریب آکہ زمانہ بلا رہا ہے تجھے

ترے غلام ازل سے ہین نصرت و اقبال — یہہ کیون کہون کہ تجھے کامیاب ہونا ہے
تری نگاہِ کرم کا ہے منتظر شاید — وہ ذرہ جس کو ابھی آفتاب ہونا ہے
بڑھا وہ ہاتھ کہ ہے ختم جس پہ بیبا کی — عروسِ دہر کو پھر بے نقاب ہونا ہے
نہ دیکھ رشک سے تہذیب کی نمایش کو — تجھے جہاں مین فقط بوترابؓ ہونا ہے
نہین ہوئی ابھی بیدار جُراتِ فاروقؓ — ابھی جہان مین بڑا انقلاب ہونا ہے
ترے تبسمِ رنگین پہ ہے چمن کی نظر — کہ خاروخس کو چمن مین گلاب ہونا ہے

تمام دہر کا سلطان بناکے بھیجا ہے
خدا نے تجھ کو مسلمان بنا کے بھیجا ہے

سر اکبر حیدری

از حاجی عبداللہ بن احمد صاحب

ہز اکسیلنسی دی رایٹ آنریبل ڈاکٹر سر نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے ٹی ۔سی ۔آئی ۔ای ۔یل ۔یل ۔ڈی ۔صدر اعظم باب حکومت حیدرآباد کی روشن دماغی، فکر پتہ وجی، مآل اندیشی ۔علمی سرپرستی ۔اقتصادی قابلیت اور رعایا کی بہی خواہی نے مختلف النوع اصلاحات سے بلدہ حیدرآباد کو عروس البلاد بنانے میں جو کام کیا ہے اس سے سب واقف ہیں آپ کی خداداد ذہانت و قابلیت کا یہ ادنے ثبوت ہے کہ آپ نے ۱۷ سال کی عمر میں بی ۔اے کی ڈگری آنرز کے ساتھ لی ۔بعدہٗ برٹش گورنمنٹ کے مالیات کے سخت امتحان میں بدرجہ اولے کامیابی حاصل کی ۔ابتدا آپ ناگپور کے فینانس ڈپارٹمنٹ میں مقرر ہوے ۔زاں بعد لاہور کلکتہ ۔الہ آباد و مدراس وغیرہ میں متعین کئے گئے اور پھر بہ بنا کارگزاری و قابلیت غیر معمولی اگزامینر گورنمنٹ پریس اکاؤنٹس کی اسپشیل ڈیوٹی پر مامور ہوے اس ذریعہ سے آپکو ملک کے مختلف حصص میں دورہ کرنے کا بہت موقع ملا اور آپ نے ایک اسکیم آف ریفارمس یعنی تجویز اصلاحات پیش کی جسکو گورنمنٹ نے منظور فرمایا اور آپکا تیار کردہ سسٹم آف پریس اکاؤنٹس کل برٹش انڈیا میں رائج ہوگیا ۔اور آپ کو معلوم ہوگیا کہ کوئی ملک جہاں ترویج تعلیم پر کافی زور نہ دیا جاوے ۔اور وہ صحیح طریقہ پر نہ چلایا جاسے ہرگز شاہد ترقی و کامگاری سے ہم آغوش نہیں ہو سکتا چاہے اس کے لئے کتنی ہی کوشش و کاوش کیوں نہ کرنا پڑے کیونکہ ہر قسم کی ترقی کا انحصار خزانہ کی سرسبزی اور تعلیم کی اشاعت اور اوس کے عناصر انتظامی کی صلاحیت پر موقوف ہے اور یہی سبب تھا کہ مسٹر گوپال کرشن گوکھلے نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ مسٹر حیدری (حال نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر) محض ایک پر جوش و زبردست ماہر تعلیمات ہی نہیں بلکہ ماہر مالیات بھی ہیں اور بہ عجلت ممکنہ ترقی تعلیم کے خواہاں ہیں ۔آپ سے انجمن خدام الہند سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی میں شرکت کی درخواست کی کیونکہ ۔

بالائے سرش زہوشمندی :: می تافت ستارۂ بلندی ۔

مگر تقدیر کچھ اور ہی چاہتی تھی چنانچہ اعلیحضرت خلد آشیاں نے اوسی اثنا میں برٹش گورنمنٹ سے سر ممدوح کی خدمات مستعار لینے کی خواہش کی جو کہ پوری ہوئی ۔اور سر حیدری سنہ ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد کے عہدہ اکاونٹنٹ جنرل پہ تشریف لائے ۔اوس وقت سے تاحال سوائے تھوڑے سے وقفے کے آپ کا حیدرآباد کی مالیاتی ۔عدالتی ۔اور تعلیمی تاریخ کے ہر صفحہ پر نشان نمایاں ہے ۔آخر سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ فنانشیل سکریٹری بنائے گئے اور بعدہ من ابتدائے اپریل سنہ ۱۹۰۷ء لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء بزمانہ رخصت سر کیشن واکر معتمد صدر المہام فینانس رہے اور اس دوران میں آپ اپنے متعدد اصلاحات جدید رائج کرکے اپنی مساعی جمیلہ حفظان صحت و تعلیمی ترقی کیجانب مبذول کیں سنہ ۱۹۱۱ء میں آپ عہدہ ہوم سکریٹری پہ فائز ہوے جبکہ آپنے رود موسیٰ پر قابل دید عظیم الشان ہائی کورٹ و سٹی کالج کی عمارتیں تعمیر کرائیں ۔اس کے بعد ملکی طریقۂ علاج کی توسیع و ترقی کی طرف آپکی توجہ منعطف ہوئی صاحب موصوف جب اس عہدہ پہ سرفراز فرمائے گئے تھے اوس وقت تعلیمی اخراجات صرف دس لاکھ روپیہ سالانہ تھے اور اب بہتر (۷۲) لاکھ سے زاید ہیں ۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ برٹش انڈیا واپس گئے اور گورنمنٹ نے آپکو

اکاونٹنٹ جنرل مقرر کیا گیا۔ اوسی سال اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کے ایما پر آپنے حیدرآباد آکر سر ہیجا نالڈ گلانسی سے صدالمہامی فینانس کا جائزہ حاصل کیا۔ اور سررشتہ داری مالیہ کی سبیل بندی کی مفید و شاندار اسکیم رائج کی جس سے ایک طرف تو محکمہ جات میں اسراف کی کمی ہوئی اور دوسری جانب مد محفوظ کی گنجائش نکل آئی ہے اور جس کے بغیر نہ محکمہ جات وسعت پذیر ہو سکتے تھے اور نہ مقامی افسران کو تحت اختیار خود انتظامی اپنی تجاویز کو بعجلت ممکنہ روبراہ لانے میں مدد ملنی ممکن تھی۔ ماہرین مالیات سے اسکی خوبی پوشیدہ نہیں ہے۔

ریاست سراکبر کی مشکور رہے کہ اونھوں نے ایک کروڑ کی محفوظ رقم صنعتوں کی ترقی کے لئے پیدا کر دی سراکبر کا سب سے اہم و عظیم الشان کارنامہ جامعہ عثمانیہ ہے۔ اون کی یہ دیرینہ آرزو کہ بجائے انگریزی زبان کے اردو ذریعہ تعلیم قرار دیجائے بالآخر پوری ہوئی۔ ایک بار آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "براہ کرم اس تحریک یا ایسی تحریکات کو کوئی علیحدہ صوبہ واری یا فرقہ واری نہ سمجھے۔ یہ قومی خودداری وقار و روایتی تربیت کے خلاف نہیں بلکہ ایک قوم کے ارتقا میں ممد و معاون ہیں۔ بقول بزرگ ترین سیاسی فلاسفر سٹر برک "کسی چھوٹی سی جماعت سے بھی منسلک ہونے سے ہمارا تعلق ایک سوسائٹی سے رہتا ہے اور یہ سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس سے کہ ہم میں پبلک سے محبت کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور پھر بتدریج اپنے ملک اور بالآخر بنی نوع انسان سے محبت کرنیکی تحریک ہوتی ہے"

آپ ہندو مسلم اتحاد اور تعلیم نسوان کے حامی ہیں۔ محبوبیہ گرلس اسکول وغیرہ اسکی بین دلیل ہیں۔ علاوہ بریں ڈرینیج و روڈ ورکس کا رھائے تعمیرات و آبپاشی۔ برقی روشنی یصنعت و حرفت۔ ریلوے و بس سروس کو اپریٹیو بنکس۔

معدنیات و دیگر شعبہ جات وغیرہ بھی آپ کی توجہ و حمایت کا نتیجہ ہیں۔ آپکی بیش بہا خدمات کے صلہ میں ہز امپیریل میجسٹی نے ۱۹۲۸ء میں آپکو نائیٹ ہڈ کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا۔

اپریل ۱۹۳۰ء میں حصول ریلوے بھی آپکا ایک نہایت نمایاں و مہتم بالشان کام ہے۔ اگر اعلیحضرت ظل سبحانی کی ذات بابرکات میں اکبر کو ایک بیدار مغز روشن رائے۔ دریا دل حکیم السیاست۔ ہمدرد خلائق حکمران ملا تو حضور معلی نے بھی آپکی ذات جامع الکمالات میں ایک قابل ترین فرد نباض وقت پختہ مغز تجربہ کار۔ فاضل و دور اندیش۔ مدبر و ماہر سیاست پایا۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اعلیحضرت حضور پرنور دام اقبالہ و جلالہ نے جب اپنا وفد بغرض شرکت انگلستان روانہ فرمایا تو نمایندگی اور قیادت کی ذمہ داری آپ ہی کو عطا فرمائی گئی۔ اور سراکبر نے اپنے کو اس اعتماد کا کامل اہل و مستحق ثابت کیا۔

استرداد برار کے سلسلہ میں آپ کی خدمات قابل فراموش نہیں سراکبر حیدری نے ایک مدبر اور سیاست داں کی حیثیت سے ان اہم اور بنیادی مسایل کے متعلق جن کا تعلق ہماری مملکت اور برطانوی ہند کی سیاسی اور آئینی زندگی سے ہے جس پختہ کاری بالغ نظری اور ہوشمندی کا ثبوت دیا وہ اظہر من الشمس ہے ان ہی ترقی پذیر اور وسیع رجحانات کا نتیجہ تھا کہ آپ انگلستان کے سیاسی حلقوں میں بھی بہت جلد روشناس ہو گئے اودہر طرف سے آپکے تدبر اور قابلیت کی داد دیجانے لگی فیڈریشن کی اسکیم کے سلسلہ میں سراکبر حیدری نے جس طرح دیسی ریاستوں کی رہنمائی کی اور اسکے متعلقہ مسائل کو حل کرنے میں جس احتیاط و دانشمندی کا ثبوت دیا اور دے رہے ہیں اس سے اہل نظر ناواقف نہیں، برطانوی حکومت آپ کے اعلے تدبر کا اعتراف کر چکی ہے اور ہماری حکومت بھی آپ کی کارکردگی کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے۔

حضور معلے خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے اپنی سلور جوبلی یعنے جشن سیمین کے مسعود و مبارک موقع پر لکھو کھا بندگان خدا کے سامنے جن جامع و مانع شاندار و حوصلہ افزا الفاظ میں آپکی لیاقت و خدمات کا اعتراف فرمایا اوس سے ہر کہ ومہ بخوبی واقف ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ:-

ایں سعادت بزور بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

اور یہ اظہار خوشنودی محض رسمی نہ تھا بلکہ حضرت ظل سبحانی نے آپ کو صدارت عظمٰی کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز فرما کر اس کو عملی جامہ پہنا دیا آپ کا۔ زرین و درخشاں کارنامہ صرف تاریخ دکن کی زیبایش کا باعث ہوگا بلکہ تاریخ ہند میں جلی قلم سے لکھا جائے گا۔ چونکہ آپنے خدمت الخلق کو افضل الشغل قرار دیا ہے جس کا نتیجہ خادم الخلق افضل الناس ہے اس لئے ترقی و کامگاری اپنے پورے لوازم کے ساتھ آپ کے حصہ میں آئی ہے۔ بقولیکہ ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔

(بقیہ برصفحہ ۶۳)

آپ کے فضائل صوری و محاسن معنوی کی تفصیل مجھ جیسے ہیچ میرز کے لئے محال ہے۔ میرا یہہ بیان شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ واقعہ نگاری ہے اور تمنائی صلہ سے قطعی منزہ۔

ایزد ذو الجلال آپ کے عمر و اقبال میں روز افزوں ترقی عطا کرتا ہوا آپ کو نہ صرف حیدرآباد کی خدمتگذاری کی توفیق بخشے بلکہ خلق اللہ کی خدمت کا بھی موقع دے۔

بہ سلسلہ صفحہ (۲۲)

اس سے آپکی قوت انتظامی وروشن خیالی کی داد دینی اور فیاضانہ بلند نظری کی توصیف کرنی پڑتی ہے یہ ایک بے پایاں سمندر ہے جس کے بیش قیمت موتی ان گنت ہیں۔

مسٹر سروجنی نایڈو نے دور عثمانی کی ان ہی ترقی پذیریوں کو پیش نظر رکھکر جامعہ عثمانیہ کے اڈریس ہال میں گزشتہ ۶ ر مہر کو تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

"حیدرآباد اپنے متعدد مذاہب اور زبانوں کے اعتبار سے لاکھوں نفوس کی بہترین امیدوں اور توقعات کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اور ایسی قدیم ریاست کو ہندوستانی قوم کا قدیم ترین گہوارہ کہلانے کی بھی توقیر حاصل ہے۔ حیدرآباد نے قومیت وغیرہ کے الجھے ہوئے مسائل کو قابل مبارکباد طریقہ سے سلجھا کر ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے لیے ایک قابل تقلید مثال قائم کردی ہے"۔

غزل

از جناب صدق جائسی

وہ پوچھتے ہیں تو نے تو پیکاں نہیں دیکھا
گر زخم نہ کہدیں تو کہوں ہاں نہیں دیکھا

اللہ رے سیاہی تری اے روز جدائی
وہ دیکھتے ہیں جو شب ہجراں نہیں دیکھا

ویرانئ دل یاس کے ہاتھوں ہوئی ورنہ
اس گھر میں بھی کیا کیا سر و ساماں نہیں دیکھا

وحشت کدۂ دل کا مرے حال نہ پوچھو
کیا تم نے کوئی خانہ ویراں نہیں دیکھا

تو نے ابھی او زخم جگر دیکھنے والے
پیوست ہے جو دل میں وہ پیکاں نہیں دیکھا

کوچہ میں ترے صدق کو مثل گل و شبنم
خنداں نہیں دیکھا ہے کہ گریاں نہیں دیکھا

ٹیلیفون ۴۳۲
تار کا پتہ Viceajee
بہ بتیں جاجِ اعلیحضرت حضور پرنور تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
ویکاجی ہوٹل اینڈ کیفے
جو
ریاست حیدرآباد میں اپنے بہترین و ممتاز خدمات کیلئے مشہور ہے اور جسے سرکاری تقریبات اور شاہی ضیافتوں کے اکثر
مواقع پر بارگاہ جہاں پناہی میں حاضری و سربراہی کی عزت حاصل ہوتی رہی ہے
وسط شہر کی بلند اور عالیشان عمارت۔ امراء و معززین کیلئے بہترین مقام تفریح و قیام کیلئے نہایت خوشنما پاک صاف ہوادار کمرے
برقی روشنی، برقی پنکھے، سینٹری فٹنگس و دیگر تمام ضروریات سے مکمل۔ سواری و دیگر ضروریات کی سہولت۔
ہندوستانی، مغلائی، انگریزی، اٹالین خوش ذائقہ کھانے
مٹھائیاں وغیرہ ہر وقت تازہ تیار رہتے ہیں اور فرمائش پر تیار کئے جاتے ہیں
ڈنر، ایٹ ہوم وغیرہ کی کیٹرنگ، ٹی پارٹی، لنچ، و دیگر فرمائشات کی تعمیل فوری حسب خواہش کیجاتی ہے۔
جو دوسروں کے مقابلہ میں کم خرچ اور پسندیدہ ہوتی ہے
ایریٹیڈ واٹرس
اصول حفظان صحت کے تحت برقی قوت سے اپنے ہی مقام پر خاص طور پر تیار کئے جاتے ہیں۔
فرمائشات کی فوری تعمیل
نہایت باقاعدہ انتظام
قیمتیں بالکل واجبی
آر۔ ویکاجی اینڈ کمپنی کوٹھی محسن الملک مرحوم چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

سلاطین بہمنیہ کے سکّے

از

جنابہ "ف" بیگم صاحبہ ادا

سلطنت بہمنیہ کا بانی حسن گنگو بہمنی تھا۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نام کا کوئی سکہ جاری نہیں کیا۔ اگرچہ کہ تحفۃ السلاطین کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حسن گنگو نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا تھا لیکن سکہ کی کوئی کیفیت نہیں لکھی۔ علاوہ اس کے حسن گنگو کے نام کا کوئی سکہ بھی ابتک دستیاب نہ ہو سکا۔ مورخین کے اس تذبذب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حسن گنگو کے زمانے میں کوئی بہمنیہ سکہ جاری نہیں ہوا غیروں کے سکے مستعمل تھے۔ غرض دکن میں سکہ اسلامیہ کی ایجاد حسن گنگو کے بیٹے محمد شاہ بہمنی کے عہد سے ہوئی۔ اور یہ اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ سارے دکن میں اسلامی سکے جاری ہو گئے۔ طلائی۔ نقرئی و مسی سکوں کو رواج عام ہوا ہونوں سکوں کی جگہ اشرفیوں نے لے لی بہمنیوں کے سکوں سے قبل راجگان ہنود کے سکے رائج تھے اور یہ راجگان دکن اسلامی سکوں کے رواج کو بہت ناپسند کرتے تھے وہ یہ چاہتے تھے کہ دکن میں اسلامی سکے رائج نہ ہونے پائیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ صرافوں کو پوشیدہ طور پر ترغیب دیکر اسلامی سکوں کو گلا اور پگلا کر نیست و نابود کرا دیتے تھے۔ کچھ عرصہ تک تو یہ کارروائی کامیابی کے ساتھ جاری رہی لیکن آخر ش راز فاش ہو گیا اور صرافوں کو اس عمل سے باز آنے کے لئے تاکید اور تنبیہ کی گئی لیکن راجاؤں کی پشتی کی وجہ سے ان نمکحرام صرافوں نے شاہی حکم کی تعمیل نہیں کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے سنہ ۷۶۱ھ میں تمام صرافان دکن کو تہہ تیغ کر دیا گیا مقتولین کی تعداد کس قدر تھی تاریخ ہمیں نہیں بتاتی۔ اس خونریزی کے بعد تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے اور دکن کے تمام چھوٹے بڑے راجہ حلقہ بگوش ہو گئے۔ ان صرافان دکن کے قتل کو بعض مورخین نے ظلم قرار دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انتظام سلطنت کے لئے ایسے نازک موقع پر سیاست اسی کی مقتضی تھی چنانچہ اس قتل عام کے بعد بہمنیہ سکہ نے بہت رواج پایا آخر میں جب محمود شاہ ثانی کے عہد سلطنت میں بہمنیہ سلطنت زوال پر ہوئی تو ہندوؤں نے اسلامی سکوں کو پگھلا کر نیست و نابود کر دیا اور راجاؤں کے سکے بننے لگے اس طرح رفتہ رفتہ بہمنی سکوں کا وجود غائب ہو گیا۔

سلطنت بہمنیہ کے زمانے میں پنتیس (۳۵) قسم کے ہون۔ پرتاب (مساوی نصف ہون) اور قسم (مساوی ششم حصہ ہون) رائج تھے اس کے علاوہ تنلقی اور طلائی سکے مستعمل تھے۔ ہون کی مختلف قسموں میں کنٹھی رائے کرناٹکی کا ہون بہت زیادہ معتبر سمجھا جاتا تھا۔

اسکا سونا خالص ہوتا تھا۔ بقیہ جسقدر بھی ہون تھے ان کا سونا غیر خالص اور درجہ دوم کا ہوتا تھا۔ رائے کرناٹکی ہون کی قیمتیں بہ نسبت دیگر درجہ سوم کے ہون سے زیادہ ہوتی تھی چنانچہ بادشاہوں اور راجاؤں کو جشن نوروز اور عید وغیرہ کے موقعوں پر امراء وزراء یہی ہون بطور نذرانہ گذرانتے تھے۔

ہون کی قسمیں یوں تو بہت سی تھیں لیکن اختصاراً یہاں میں صرف چند کے نام درج کروں گی۔

نندی ہون	بھولی ہون	کرکٹ ہون	گولکنڈہ ہون
۱۰½ ماشہ	۱۱½ ماشہ	۱۲ ماشہ	۱۲ ماشہ

بیجاپوری ہوں	ہوں راجہ کرناٹک	بیدری ہوں	ورنگل ہوں
۱۰ ماشہ	۱۰ ماشہ	۱۲ ماشہ	۳ ماشہ

محمد شاہی ہوں کی قسمیں تاریخ فرشتہ نے چار لکھی ہیں ۔

محمدی ہوں	محمدی ہوں	محمدی ہوں	محمدی ہوں
۳ ماشہ	۶ ماشہ	تولہ	۳ تولہ

اسی طرح نقرئی سکے بھی کئی اقسام کے ہوا کرتے تھے ۔ مثلاً ۔

تنکہ محمدی	تنکہ محمدی	تنکہ علائی	تنکہ تغلقی
تولہ	نصف تولہ	تولہ	تولہ

یہی حال مسی سکوں کا تھا ان کی بھی متعدد قسمیں تھیں ۔

تنکہ علائی	جیتل	چلکا	تار
تولہ	مساوی ۲۔	مساوی نصف آنہ	مساوی ربع آنہ

بہمنیہ سلاطین کے سکہ جات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے ان کے ایک جانب وسط میں کلمۂ شہادت اور اطراف خلفائے راشدین اربعہ رضی اللہ عنہم کے اسماء کندہ کئے جاتے تھے اور دوسری جانب بادشاہ وقت کا نام دارالضرب و سنہ منقش ہوتا تھا۔ تمام سکے گول ہوا کرتے تھے صرف محمد شاہ بن حسن گنگو بہمنی کا سکہ مربع شکل کا تھا اور اس پر عبارت اس طرح کندہ تھی ۔

(پہلا رخ)

ابوبکر — عمر

لا الٰہ

الا اللہ محمد

رسول اللہ

عثمان — حیدر

(دوسرا رخ)

المؤید نصر اللہ

عبد معبود محمد محمود

سنہ ۷۶۰

ضرب فی حسن آباد
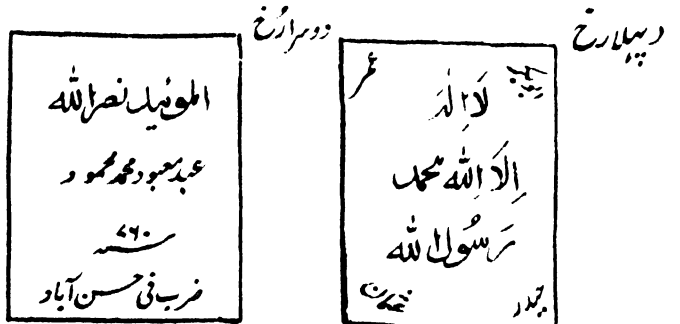
بعض ایسے بھی سکے دستیاب ہو رہے ہیں جن میں دارالضرب اور سنہ کا پتہ نہیں اور نہ ہی ان میں کلمہ اور خلفا کے اسماء ہیں ۔ اس اختلاف کی تین صورتیں بظاہر معلوم ہوتی ہیں ۔

اول تو یہ کہ محمد شاہ بہمنی بانی سکۂ اسلامی کے دور حکومت تک سکوں میں کلمۂ شہادت خلفاء کے اسماء۔ دارالضرب اور سنہ کندہ ہوتے ہوں گے اور اس کے جانشینوں نے سکوں کا رنگ بدل دیا ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ طوائف الملوکی وزراء جو بہمنیہ سلطنت پر آخر آخر میں حاوی ہوگئے تھے اور جو امامیہ مذہب کے پیرو تھے سکوں سے خلفاء کے ناموں کو خارج کر دیا ہوگا۔ چنانچہ عادل شاہ۔ برہان نظام شاہ بحری نے بجائے خلفاء کے ناموں کے بارہ ائمہ کے اسماء کندہ کروائے تھے۔ تیسرے یہ کہ سکے جعلی ہوں ۔

غزل

از جناب محمد مہدی مہدی

نغمہ ایسا سنا دیا تو نے || روح کو تلملا دیا تو نے

مجھکو دکھلا کے ایک جھلک اپنی || محوِ حیرت بنا دیا تو نے

دردِ دل سرفراز مجھکو ہوا || گوہرِ بے بہا دیا تو نے

باتوں باتوں میں شوخیاں اتنی || ہرادا پر لٹا دیا تو نے

مار ڈالا اگر نگاہوں سے || تو لبوں سے جلا دیا تو نے

دین و دنیا کو بھول بیٹھا میں || ایک جلوہ دکھا دیا تو نے

کھیل ہے ایک یہ ترے آگے || جسکو چاہا مٹا دیا تو نے

تابِ نظارہ کسکو ہے دیکھیں || رُخ سے آنچل ہٹا دیا تو نے

شبِ غم میرے دل کی دنیا کو || نور سے جگمگا دیا تو نے

ضبط تجھ سے نہ ہوسکا مہدی

حالِ دل سب سنا دیا تو نے

از جناب نجم افندی

فصل گل تھی اور صحرا بیخود و خاموش تھا
ایک چشمہ تھا جسے بہنے کا اپنے ہوش تھا

خاک کے بستر پہ سبزہ نیند مین کھویا ہوا
سبز چادر مین حسین جیسے کوئی سویا ہوا

پھول تھے اپنی جوانی کے غرور ہوش مین
زندگی خاموش تھی اس عالم خاموش مین

تھا بلندی پر تکبر سرو قد اشجار کو
چپ لگی تھی فکر کاوش مین زبان خار کو

اُس کا سناٹا نہ تھا فطرت کے لب پر آہ تھی
اِس فضا مین ایک زاہد کی عبادت گاہ تھی

اس قدر تھی آرزوئے دید ربانی جسے
وجہہ تخریب نظر تھی شکل انسانی جسے

سر بسجدہ فکر انجام جبین سائی مین تھا
اُس کا گم گشتہ خدا جنگل کی تنہائی مین تھا

خامشی پر چہچہوں کے تیر برساتا ہوا
ایک طائر آنکلتا تھا کبھی گاتا ہوا

جس کا نغمہ شغل زاہد مین خلل انداز تھا
اُس کی اگلی زندگی کی بازگشت آواز تھا

یاد آتی تھی بہار آشیان بھولی ہوئی
ذہن کر دیتا تھا حاضر داستان بھولی ہوئی

نغمۂ طائر سے برہم تھا نظام عبدیت
منتشر تھا صفحۂ دل پر پیام عبدیت

چھین لی اک بے نظر نے بے خبر کی زندگی
وہم پر قربان کر دی مشت پر کی زندگی

چپ ہوا طائر فضائے دشت تھرانے لگی
گوش نامحرم مین اک آواز غیب آنے لگی

دور ہے تجھ سے بہت امید گاہ عاشقی
کس اندھیرے مین ہے اے گم کردہ راہ عاشقی

اک نفس اس کا مقدس تھا ریاضت سے تری
اُس کی اک چہکار بہتر تھی عبادت سے تری

تیرا سجدہ عرش کا پایہ ہلا سکتا نہین
تو مجھے او بے نیاز درد پا سکتا نہین

سالگرہ ہمایونی کی تقریب میں آخر رجب المرجب ۵۶ھ تک حسب ذیل ادویہ کے قیمتوں میں ۲۵ فیصدی کی کمی کی گئی ہے

نایاب و بے مثل ادویہ

مجربہ خاندانی عالیجناب حکیم مرزا محمود بیگ صاحب سند دفعہ یافتہ و مددگار شفاخانہ یونانی سرکار عالی

تریاق فاروق تیار کردہ حکیم عبدالعزیز خان صاحب مرحوم پسر حکیم صاحب مرحوم کے عمر بھر کا مایہ ناز سرمایہ ہے جمیع امراض باردہ کی تیر بہدف دوا ہے۔
قیمت فی تولہ دلعہ، فی سرخ دعہ،

تریاق محمودی تمام امراض باردہ مثل فالج، لقوہ، استرقاد، اختناق الرحم صرع وغیرہ کی بے خطا دوا ہے۔ قیمت فی تولہ صہ فی سرخ ۱۲

حب الذہب مقوی دواؤں کا نچوڑ۔ تمام کمزوریوں کا دافع خصوصاً باہ و کمزوری اعضاء رئیسہ کیلئے تیر بہدف ہے، قیمت فی درجن دعہ،

طلاء خاص الخاص لاجواب بے ضرر۔ طلاء۔ تمام مردانہ کمزوریوں کا دافع۔ قیمت فی تولہ دعہ،

لبوب کبیر خاص الخاص بعض نایاب اجزا سے تیار کیا گیا ہے قیمت فی تولہ دعہ،

المشتہر منتظم مطب قاسم الشفاء بازار سدی عنبر حیدرآباد دکن اوقات مطب ۵ تا ۹ صبح تا ۶ بجے شام

زینتھ ریڈیو

کا صرف ایک ہی مظاہرہ کسی شخص کو بھی مطمئن کردیگا کہ اس سے بہتر ریڈیو نہیں مل سکتا۔

قیمتیں ۲۷۰ روپیہ اور اس سے زیادہ اقساط کے آسان ذریعہ سے ادائیگی کا انتظام۔ اور نقد قیمت ادا کرنے والوں کیلئے دلکش شرائط۔

تقسیم کنندگان

دی ریڈیو اینڈ ٹاکی ہاؤس متصل جان ہوٹل حیدرآباد دکن۔

ہندوستان۔ برما۔ سیلون کے

بہترین باغات

میں پھولوں۔ ترکاریوں اور پودوں کیلئے پوچا کے بیج استعمال کئے جاتے ہیں۔ مصور کیٹلاگ مفت طلب کیجئے

پسٹن جی پی پوچا اینڈ سنس

۸۔ نیپیر روڈ پونہ صبا
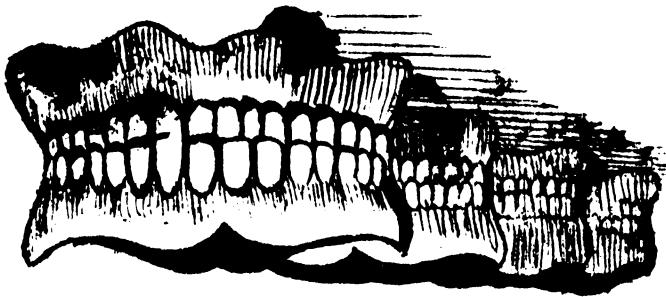
کیا آپ جانتے ہیں

۱۔ اب ہمارے دانت زندگی بھر کیلئے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

۲۔ آج ہی سے ارادہ کر لیجئے کہ ہر سال بلا ناغہ کم از کم ایک تجربہ ماہر دنداں ساز سے مشورہ کیا جائے۔

ڈاکٹر بی۔ آر۔ نائک

ڈنٹل سرجن (دونیا یونیورسٹی)

۱۱۱۲ گلباغ۔ نزد اکسلسیر بلڈنگ حیدرآباد دکن

(از جناب حکیم عبدالحمید صاحب)

مصر قدیم کے متعلق ہمکو اب جو کچھ بھی معلوم ہے وہ سب حال کی اثری تحقیقات کا نتیجہ ہے ورنہ اس سے پہلے قرون وسطیٰ میں تاریخ کی جو باقاعدہ کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں بھی مصر قدیم کا کوئی خاص تذکرہ نہیں آتا۔ غالباً اٹھارویں صدی کے آخر تک ہم کو اس قدیم ملک کے متعلق مذہبی کتابوں کے ذریعہ صرف اتنا معلوم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں گئے اور وہاں انکو یہ واقعات پیش آئے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے ساتھ مصریوں نے فلاں فلاں بدسلوکیاں کیں یا پھر ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی سیاحوں کے سفرنامے تھے جن سے ہم ان قدیم تہذیبوں اور تمدنوں کی ایک جھلک دیکھ سکتے تھے لیکن یہ سیاحت ایسے وقت میں کی گئی تھی جبکہ تہذیب و تمدن کے یہ اولین علم بردار اپنی عظمت و اقتدار کھو چکے تھے اور ان پر دوسری قومیں داد حکمرانی دے رہی تھیں اسوقت ہیروڈوٹس یا آزاد و فاتح قوم کے کسی فرد کا مفتوح و محکوم کے باقیات پر نظر ڈالنا وہی صورت اختیار کرتا ہے جس کا مشاہدہ ہمیں کھنڈروں میں اکثر ہوتا رہتا ہے جبکہ بعض یوروپین سیاح ان پر ایک نگاہ غلط انداز کے ساتھ ایک خاص انداز سے ٹہلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ہیروڈوٹس کے سفرنامے کے مطالعہ سے ہمارے اس خیال کی تصدیق بآسانی ہو سکتی ہے وہ جہاں بعض بعض مواقع پر مصریوں کے تمدن سے متاثر معلوم ہوتا ہے وہاں اس ملک کے باشندوں اور وہاں کے رسوم و رواج کا بیان بھی لاابالیانہ انداز سے کرتا ہے بہرحال ہم کو ان سیاحوں کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ ان کے سفرناموں سے گزشتہ عظمتوں کے نقوش قائم رہے اور آج جبکہ دنیا اپنے ماضی کو اشتیاق کے ساتھ مڑ مڑ کر دیکھ رہی ہے اس وقت ان کے نقوش سے بعض اوقات بہت سے حل نہو سکنے والے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔

۱۷۹۹ء میں جب فرانس کی فوجوں نے نپولین بوناپارٹ کی قیادت میں مصر کو فتح کیا۔ اس وقت اس فوج میں جانبازان میدان کے علاوہ کچھ شہسواران علم بھی تھے۔ انہوں نے مصر کے کھنڈروں اور وہاں کے باقیات میں غیر معمولی دلچسپیاں لیں اور بعض تصویریں اور کندہ کیے ہوئے پتھر لیتے ہوئے وہاں سے فرانس لے گئے۔ کتبوں کی عبارتیں ہیروگلیفی خط میں لکھی ہوئی تھیں اس وقت اسکا پڑھنا اور سمجھنا ممکن نہ تھا۔

فرانس کی یہ فاتح فوج جب اپنے ملک واپس پہونچی تو کم و بیش ہر شخص کے دماغ پر مصر کے عظیم الشان اہراموں اور وہاں کے کھنڈرات کا اثر تھا۔ علماء کی مجلسوں میں اب مصر کے چرچے رہنے لگے ان سب باتوں کے نتیجہ کے طور پر دنیا کو اپنے ماضی سے کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی اسی دوران میں شامپولون .... (Shampollion) ایک نوجوان فرانسیسی کو خط رمزی کی داستان سن کر اس کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اُسنے چودہ برس کی عمر میں جبکہ وہ مدرسہ میں پڑھتا تھا قبطی زبان کی صرف و نحو پڑھی یہ زبان قدیم مصری زبانوں سے نکلی تھی جس کا نام اہل یوروپ نے ہیروگلیف (Heiroglyphe) متبرک پھر اس کے بعد کی ترقی یافتہ زبانوں ہیراٹیک (Heiralique) مقدس اور ڈمینیک (Demelique) کے ناموں سے یاد کیا ہے قبطی زبان اس زمانہ میں رائج تھی۔ شامپولون نے ۱۸۰۷ء میں مدرسہ سے باہر آنے سے پہلے مصر کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اس کے بعد پیرس آکر مصر کے آثار قدیمہ دیکھنے کے لیے گیا۔ جو لور کے عجائب خانہ میں جمع کر لیے گئے تھے۔

۱۷۹۹ء میں فرانسیسی توپ خانہ کے ایک افسر کو مصر کے ایک شہر رشید میں ایک پتھر ملا وہ اسے اپنے ساتھ فرانس لے آیا اس پتھر پر ایک عبارت تین خطوں میں لکھی ہوئی تھی ان تین خطوں میں ایک یونانی دو مصری تھے فرانس کے علما نے یونانی خط کی مدد سے ڈمیٹیک خط کو پڑھ لیا لیکن ہیروگلیف کی ابجد سمجھنے سے وہ قاصر رہے

علمار کا خیال تھا کہ کتبہ پر بادشاہوں کے نام لکھے ہوئے ہیں لیکن شامپولون برابر اس خط پر غور کرتا رہا آخر وہ اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب ہوگیا اور اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر ہم قبطی زبان کی ابجد پر غور کریں تو ہم کو معلوم ہوجائیگا کہ ہیروگلیف خط سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے اس نے اپنے خیال میں کتبہ کی عبارت پڑھ لی لیکن پیرس کے ارد فضلا نے جو قبطی زبان جانتے تھے شامپولون کی تحقیقات کی تردید کی اس کے بعد اس جوان ہمت نے خود مصر کا سفر کیا۔ اور مصر قدیم کی زبان کی صرف و نحو لکھی اس تحقیقات میں اس نے جو محنت کی اس کا اثر اس کی صحت پر خراب پڑا اور آخر کار وہ ۱۸۳۲ء میں جبکہ اسکی عمر محض اکتالیس سال تھی وفات پاگیا۔ شامپولون نے ثابت کردیا تھا کہ خط ہیروگلیف پڑھا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد بہت سے علما کو مصر کے آثار اور عمارتوں کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ ان ہی کوششوں کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک نیا علم پیدا ہوگیا جس کو فرانس میں ازمیتولوزی اور انگلستان میں اجپٹالوجی (مصریات) نام دیا گیا مصریات کے عالم صرف مصریات ہی میں نہیں بلکہ یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی موجود ہیں اور اب خود مصری فضلا بھی اس میں کافی دلچسپی لینے لگے ہیں۔ عالمان مصریات کا کام صرف کتبے پڑھنا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے علم کو مکمل اور وسیع کرنے کے لیے عمارتیں اور قبریں کھودتے ہیں اور جو چیزیں وہاں سے دستیاب ہوتی ہیں ان پر غور و بحث کرتے ہیں اور اپنی ان اثری تحقیقات سے مصر قدیم کے باشندوں کے معاشری معاشی۔ تمدنی اخلاقی اور مذہبی حالات کے کھوج نکالتے ہیں نقاشی کی ہزاروں چیزیں زیب و زینت کی سینکڑوں اشیاء اور مصری کتابیں جو پاپیرس کے پتوں پر لکھی ہوئی ہیں انھوں نے حاصل کرلی ہیں۔ ہیروگلیف اور اس کے بعد کی زبانوں کی صرف و نحو مرتب کرلی گئی ہے اور اب مصری نوشتوں کو پوری صحت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

تحقیقات کا یہ ذوق برابر بڑھتا رہا اور عجیب و غریب انکشافات اس ذوق کو پرورش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۰۳ء میں مسٹر ڈیوس نے اٹھارویں خاندان کے بادشاہ تومتیس رابع کا مدفن دریافت کرلیا جس میں بہت سی نادر چیزوں کے علاوہ اس بادشاہ کا گھوڑا بھی دفن تھا لیکن سب سے اہم انکشاف جس نے مصریات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا وہ مقبرہ توت عنخ آمون ہے جو نومبر ۱۹۲۲ء میں مسٹر کارٹر کی سرکردگی میں کھودا گیا تھا مقبرہ کیا تھا۔ پورا ایک قلعہ تھا جس میں مومیائی لاشیں بیسیوں قسم کے آلات و اوزار سینکڑوں تصویریں اور کتبے تھے جو اس وقت کی معاشرت اور تہذیب کے خد و خال کو نمایاں کر رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک اچھے خاصے متمدن ملک کو زمین میں دفن کردیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مصر قدیم کے متعلق جو کچھ بھی ہم اس وقت جانتے ہیں وہ سب ماہرین مصریات کی محنت و کوشش کا نتیجہ ہے اور اس ملک کی عورتوں کے معاشرتی حالات کے متعلق جو کچھ لکھا جانیوالا ہے وہ بھی سب انھیں تحقیقات سے ماخوذ ہے غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اصل مضمون سے دلچسپی لینے کے لیے یہ تمہید کس قدر ضروری تھی۔

اب ہم مصر قدیم کی عورت کی معاشرتی حالت کا ایک عمومی نقشہ پیش کرتے ہیں اس کے بعد عورت کی زندگی کے بعض مخصوص عنوانات کے ماتحت معلومات پیش کریں گے۔

شہر طیبہ کا ایک عام منظر

سڑکیں اور راستے تنگ ہیں ایک منزلہ مکانات جو گارے سے بنائے ہیں ہر طرف نظر آتے ہیں کہیں دومنزلہ مکانات بھی دکھائی دئے جاتے ہیں۔ بہت کم مکانات ایسے ہیں جن کے دروازے بند ہیں اس لیے ہم اکثر مکانوں کا جائزہ لے سکتے ہیں عام طور سے مکانوں کا اندرونی حصہ صاف ستھرا نظر آتا ہے۔ فرنیچر بہت کم ہے کھجور کے پتوں کی چٹائیاں جو بیٹھنے اور سونے دونوں کے کام آتی ہیں۔ مٹی کے چند رکابیاں۔ چار پانچ پیالے مٹی کے مرتبان جن میں پانی اور تیل بھرا ہوا ہے اور کسی دیوتا کی ایک چھوٹی سی مورتی بس یہ کائنات تھی جو عام گھروں میں پائی جاتی تھی بعض گھروں میں لکڑی کے دو ایک صندوق بھی ہیں اور بعض دومنزلہ مکانوں کی نیچے والی منزل میں ایک کمرہ گدھے کے لیے اصطبل کا کام دیتا نظر آتا ہے۔

فقط ایک کرتا پہنے ہوئے بچے ہر جگہ کثرت سے دکھائی دیتے ہیں اور اکثر گھروں میں عورتیں خانہ داری کے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے ہیں کہیں کوئی عورت چکی پیس رہی ہے کہیں روٹی پکا رہی ہے کہیں کوئی اپنی ہمسائی کی مدد سے ایک بھدی سی کھڈی پر کپڑا بن رہی ہے۔ ان مکانوں میں دن کے وقت مرد کہیں کہیں خال خال نظر آجاتے ہیں وہ طلوع آفتاب کے وقت اپنا کھانا ساتھ لیکر کام پر چلے جاتے ہیں اور شام تک واپس نہیں آتے جس قدر بازار کے قریب پہنچتے جاتے ہیں اسی قدر ہمیں مرد کام کرتے نظر آنے لگتے ہیں ہتھوڑوں کی آواز لوہار کی ایک دکان کے سائبان کے نیچے کی طرف کھینچتی ہے جہاں دو ہٹے کٹے آدمی ایک جنگلی رتھ کے گھوڑوں کے لیے کاٹھی تیار کر رہے ہیں۔ ہمارا ساتھی ہم سے دفعتاً کہتا ہے کہ فلاں سائبان کے قریب نہ چلے جانا پھر اسکی تشریح وہ یہ کرتا ہے کہ وہ کپڑا رنگنے کا کارخانہ ہے اسکے بعد ایک مصری نظم کا حوالہ دیکر کہتا ہے کہ "سڑی ہوئی مچھلی کی طرح رنگوں کی بو بھی خراب ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے پاس مصری خواتین کا کوئی ایسا مجموعہ نہیں ہے جس سے ہم وہاں کے معاشرتی حالات کا بیک نظر اندازہ لگائیں برخلاف اس کے کہ ہم بابل میں حمورابی قوانین کو نافذ دیکھتے ہیں اور اب اسکے ذریعہ ہماری بہت سی مشکلیں رفع ہوجاتی ہیں۔

جس طرح انسانی تمدن کی بعد کی تاریخ میں چند افراد پر مشتمل ایک خاندان یا گھرانے کا وجود ضروری ہو گیا اسی طرح قدیم مصری سوسائٹی میں بھی لوگ الگ الگ خاندانوں میں منقسم ہوکر زندگی بسر کرتے تھے رشتہ اور برادری کا احساس بہت گہرا تھا اور مختلف گھرانوں کے درمیان ہمدردی اور رواداری کی زنجیریں موجود تھیں وقتی قانون کے مطابق ہر شخص صرف ایک ہی بیوی رکھ سکتا تھا جو اسکی اولاد کی نگرانی کرسکتی تھی۔ بیوی کے تمام حقوق شوہر کے برابر تھے عورت کے ساتھ بہترین سلوک کرنا مرد کا فرض سمجھا جاتا تھا۔ عورت اپنے شوہر اور اپنی اولاد کی تمام راحتوں اور مسرتوں میں برابر کی شریک تھی وہ گھر کی خادمہ نہ تھی بلکہ ملکہ تھی اس وقت تک جتنے آثار اور کتبے پائے گئے ہیں ان پر اس خوشگوار رشتہ کے مسلسل واقعات نہایت واضح طور پر کندہ ہیں۔

شوہر اور بیوی کا رشتہ خالص اور مستقل محبت کا رشتہ تھا اور وہ اکثر دونوں کے بچپن ہی کے زمانہ میں شروع ہوجاتا تھا اس کا سبب بہت دلچسپ ہے اور وہ یہ ہے کہ سوسائٹی کے ہر طبقہ میں یہ رواج عام تھا کہ سگے بھائی بہن جوان ہوکر میاں بیوی بن جاتے تھے ہر شریف نوجوان کا فرض تھا کہ وہ اپنی سگی بہن سے شادی کرے اگر گھر میں بہن کے ہوتے ہوئے کوئی نوجوان دوسرے گھر کی لڑکی سے محبت یا شادی کرتا تھا تو اس کا یہ فعل غیر شریفانہ اور قابل اعتراض سمجھا جاتا تھا۔

مصر قدیم میں عورت کی غیر معمولی قدر و منزلت کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ وراثت کا سلسلہ سب سے بڑے لڑکے کی طرف نہیں بلکہ سب سے بڑی لڑکی کی طرف منتقل ہوتا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ دولت اور جائیداد لڑکوں کی نہیں بلکہ لڑکیوں کی ملک ہے جس چیز کو خون کا رشتہ کہتے ہیں اس کا اصلی مرکز ماں تھی باپ نہ تھا اور ماں ہی گھرانے کی زنجیر کی سب سے زیادہ مضبوط کڑی تھی ماں کی تعریف و توصیف میں اس زمانہ کی تمام تحریریں بھری پڑی ہیں۔

ہر نوجوان کو سب سے پہلے یہ تلقین کی جاتی تھی کہ وہ شادی کرکے اپنا گھر بسائے اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالے بزرگوں کا کام تھا کہ وہ نوجوانوں کے اخلاق کی نگرانی کریں اور انھیں گمراہی سے بچائیں۔

مصر قدیم کے ایک عاقل مذہبی پیشوا کی ایک تحریر ملاحظہ ہو اور ان الفاظ میں نوجوانوں کو متنبہ کرتا ہے۔ "ایسی عورت سے ہشیار رہو جو باہر والی ہو اور شہر میں لوگ اسے نہیں جانتے ہوں وہ سمندر کے گہرے پانی کا گرداب ہے جس کی کوئی پیمائش نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی ایسی عورت جس کا شوہر کہیں دور گیا ہوا ہو تم کو خط لکھے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ تم کو جال میں پھنسانا چاہتی ہے۔ یہ کیسا ذلیل کام اور مہلک جرم ہے[1]۔"

بعض مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ عورت کو مرد نے گھر کا سارا اندوختہ اور سامان و اسباب سونپ دیا اور خود اس امید میں ماتحت ہوکر رہتا تھا کہ اس کی بیوی اس کی آسائش حیات کا مکمل بندوبست کردے گی اور اچھے سلوک کے ساتھ رہے گی۔

وقتی قانون عورت کو کافی آزادی دیتا تھا اور قدیم مصری شاعری سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مرد عورت کے درمیان رشتہ محبت قائم ہونے میں کوئی بڑی چیز سدراہ نہ تھی اور سب کو آزادی حاصل تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ معمولی طبقے کی عورتوں کو ایسی آزادی اور آسائش حاصل نہیں تھی پھر بھی وہ ان عورتوں سے بدرجہا بہتر تھیں جو سخت گرم ممالک میں غیر مہذب اور غیر متمدن سرزمین میں پیدا ہوئی تھیں اس غیر مساوی حالت کے متعلق زیادہ جرح و قدح فضول ہے آج بیسویں صدی میں بھی جب کہ "مساوات" "مساوات" کی پکار ہر طرف سنائی دیتی ہے۔ امارت اور غربت کا یہی نقشہ قائم ہے فراعین مصر کی حکومت کے متعلق تو معمولی سمجھ والا انسان بھی یہ پکار اٹھے گا کہ وہ اس کی بنیاد اسی عدم مساوات ہی پر رکھی گئی اور فرعونوں کو اپنی حکومت کے قیام کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس حالت کو قائم رکھیں مصر اور بابل ہر دو ممالک میں غلامی کا رواج تھا۔ بہ ظاہر کاشتکار آزاد معلوم ہوتے تھے لیکن حقیقتاً وہ بھی جاگیرداروں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کے مظالم سے محفوظ نہیں تھے بڑے بڑے تعمیری کاموں کے لیے غلام بڑی تعداد میں جنگوں کے ذریعہ حاصل کئے جاتے تھے۔ بہرحال امارت و غربت کے اس امتیاز کے باوجود فراعنہ مصر کے زمانہ میں جو عروج اور غلبہ عورتوں کو حاصل ہوا وہ آج بیسویں صدی میں بھی رشک کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے اور یونانی سیاحوں کو مصری عورتوں کی معاشرتی حالت دیکھکر سخت تعجب ہوا تھا[2]۔

شادی بیاہ متوسط طبقہ

مصر میں عہد بطلیموس کے بہت سے مخطوطات دستاویزیں اور کتابچے دستیاب ہوتے ہیں جن سے ہم کو نہ صرف اس عہد کے مراسم شادی بیاہ کا علم ہوتا ہے بلکہ عہد فراعنہ کے حالات بھی روشنی میں آتے ہیں۔

مصر میں عورتوں کی شادیاں مختلف اطوار و اوضاع سے ہوتی تھیں جن میں عورت کی

---

[1] "اے ہسٹری آف ایجپٹ" مولفہ جیمس ہنری بریسٹیڈ صفحہ ۸۶

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ "الہیات" جلد ۶، صفحہ ۱۵۹ چودھواں اڈیشن۔

حیثیت بھی مختلف ہوتی تھی بعض شادیاں تو بالکل معمولی طریقہ پر کر دی جاتی تھیں بعض اوقات شادیوں میں بڑے بڑے اہتمام کئے جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس اختلاف کا تعلق امارت و غربت سے تھا۔ عورت کو اپنے شریک زندگی کے انتخاب میں رائے دینے کا اختیار حاصل تھا بعض شادیوں میں عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ کامل قانونی مساوات حاصل ہوتی تھی۔

مصری لڑکی جس وقت سن بلوغ کو پہونچ جاتی تھی تو اپنے معاملات میں بالکل مستقل سمجھی جاتی تھی اور اس کو انہیں اپنی منشا سے طے کرنے کا اختیار حاصل تھا میاں بیوی کے تعلقات محض اسی کی رضامندی پر موقوف تھے وہ جس سے چاہتی اپنا عقد کرتی اور محض فریقین کی رضامندی پر ازدواجی تعلق قائم ہو جاتا تھا۔ مصری قوم میں غیرت کا جذبہ کم اور ازدواجی تعلقات کی کثرت تھی ان کے نزدیک بھائی بہن کا نکاح تو درست سمجھا ہی جاتا تھا لیکن اگر باپ بیٹی کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہو جائیں تو ان کو بھی جائز تسلیم کیا جاتا تھا۔ بہر حال مساوات کا پورا پورا لحاظ تھا[۱]

شادی شدہ جوڑوں کے مجسمے جو مقبروں سے دستیاب ہو رہے ہیں وہ بہت دلچسپ ہیں۔ ان میں یا تو عورت مرد کے ساتھ برابر مساویانہ طریقہ پر بیٹھی ہوئی ہے چلنے کی حالت میں ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر مرد کی کمر میں اپنے ہاتھوں سے حلقہ بنا کر چلتی ہے۔

بیوی کو سالانہ خراج اور جہیز دینے کی رسم جو اب تک یورپ کے بعض مقامات میں باقی ہے ان قدیم مصری آثار سے اس کی اصلیت واضح ہوتی ہے[۲]

ادنیٰ طبقہ

اب تک تو متوسط طبقے کے لوگوں کی شادیوں کے رسم و رواج کا ذکر تھا۔ نیچے طبقے کے لوگوں اور غلاموں میں بھی شادیاں ہوتی تھیں مگر چونکہ غلام کسی جایداد کا مالک نہیں ہو سکتا تھا اور اس کی آمدنی غیر معین اور معاشی حالات غیر یقینی تھے اس لیے اس طبقہ کے شادیوں کے رشتے بھی بہت زیادہ مضبوط نہیں ہوتے تھے پھر بھی نیک چلنی ان کا شعار رہتا اور بد اخلاقی و زناکاری نہایت ذلیل اور مذموم حرکت سمجھی جاتی تھی۔

اعلیٰ طبقہ بادشاہ و ملکہ

بادشاہ کی بہت سی بیویاں ہوتی تھیں لیکن ان میں سے صرف ایک "زوجہ شرعیہ" کہلاتی تھی۔ اکثر یہ عورتیں ان شریف خاندانوں سے ہوتی تھیں جو شاہی محل میں متعین ہوتے تھے یا دوسرا شہر کے بڑے گھرانوں سے ہوتی تھیں اور بعض اجنبی بھی ہوتی تھیں (یعنی مشرقی) اور لونڈی کی بیٹیاں یا بہنیں ان میں سے جس کی طرف زیادہ شاہی میلان ہوتا تھا اسی قدر اسکا مرتبہ بلند سمجھا جاتا تھا اسکی تصریح موجود ہے کہ نہرین کے ایک رئیس نے "آمنحوتپ ثالث" کے پاس ایک ہدیہ بھیجا تھا جس میں اس کی بڑی بیٹی اور تین سو ستر نوجوان ایسی عورتیں تھیں جن کے پستان خوبصورت تھے۔

جس عورت کو بادشاہ کی زوجہ شرعیہ کا درجہ حاصل ہوتا تھا وہ عموماً بادشاہ کی بہن ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ مصریوں کی عموماً یہی کوشش ہوتی تھی کہ اس مرتبہ کو بہن کے واسطے خاص کر دیں تاکہ اس کو ایک بڑا مرتبہ حاصل ہو جائے اور بادشاہ کے ساتھ ساتھ حکمرانی میں اس کو حصہ مل سکے۔

ملکہ کے لیے اس ایک امر کی تصریح ہوتی ہے کہ وہ خاص طور سے جلسہ جلوس میں بادشاہ کے ہمراہ لوگوں سے پیش پیش رہے بقیہ عورتوں کو اس کی اجازت نہ ہوتی تھی بلکہ ملکہ کے ذمہ کچھ خاص خاص فرائض بھی ہوتے تھے منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ مذہبی مجلسوں میں وہ بادشاہ کے سامنے شراب اور قسم قسم کے خوشبوئیں اور پھول وغیرہ پیش کرے اور رسمی جلسوں میں اس کے ساتھ رہے۔

اگر بادشاہ جنگ میں شرکت کی خاطر دارالحکومت سے باہر جائے تو اس کی نیابت میں فرائض ادا کرے۔ قدیم شاہی خاندانوں میں اس کے القاب یہ تھے۔ لطیفہ، عظیمہ، صدیقہ، حامل تاج محبوبہ۔ بعد کے خاندانوں میں اسکے القاب یہ تھے۔ "خدا کی بیوی" "خدا کی باعظمت بیوی" اسکا نام بھی بادشاہ کے نام کیساتھ آثار پر کندہ کیا جاتا تھا[۳]

شوہر کے مرنے کے بعد بھی اس کے فرائض اس سے سلب نہیں کر لیے جاتے تھے بلکہ دیکھا جاتا تھا کہ اگر اس کی اولاد میں سے جو تخت نشین ہوا ہے ابھی فرائض کے انجام دہی سے قاصر ہے تو اس "زوجہ شرعیہ" کو ولی مقرر کر دیتے تھے اور جب تک وہ بچہ اچھی طرح ہوشیار نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو با اختیار سمجھا جاتا تھا اور اگر اس کے بطن سے کوئی ایسا بچہ نہ ہوتا تھا جو تخت و تاج کا وارث بن سکے اور دوسری بیوی کا کوئی لڑکا بادشاہ بنتا تو بھی اس کے لیے کوئی چیز مانع نہ تھی اور جب تک انہیں حسن و جمال موجود رہتا تو اس سے اسی طریقہ سے ملتی رہتی جس طرح اس سے قبل اس کے باپ سے ملتی تھی لیکن بہر حال شوہر کے مرنے سے اس پر ایک قسم کی مصیبت ضرور نازل ہو جاتی تھی اس واسطے کہ جانشین بہت کم اس کو اس

---

[۱] "المراۃ فی التاریخ والشرائع" مولفہ محمد جمیل بیہم مطبوعہ بیروت صفحہ (۱۲)

[۲] "ویمین" انسائیکلوپیڈیا انیڈ بارٹلز جلد (۱) صفحہ ۵۱۹۔

[۳] تاریخ التمدن المصری جلد دوم مولفہ شکری صادق مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹۔

نظر سے دیکھتا تھا جس طرح سلف نے اس کو منظور نظر رکھا تھا۔ ان ملکاؤں میں سے جو اپنے شوہروں کی وفات کے بعد بھی مملکت میں دخیل رہیں دو زیادہ مشہور ہیں۔ ایک "اع ہوتپ" دوسری "احمیس"

بعض تصاویر میں "خوین اتن" کی ایک تصویر ملی ہے وہ ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے اس کی بیوی شراب بہا رہی ہے اور اس کی چھوٹی بیٹی کچھ پھول اور کیک پیش کر رہی ہے۔

بادشاہ اپنی صغیر سن لڑکیوں کی شادی روسار یا بڑے عہدہ داروں سے کر دیا کرتا تھا اور ان کے گزارے کیلئے زمین کے بڑے بڑے قطعات دیدیا کرتا تھا اور قدیم طبقات میں شاہی نسل کے لیے خاص خاص وظائف بھی مقرر ہوتے تھے اور کچھ وظائف پولیس افسروں اور روسار خزانہ اور روسار محکمہ قضاءت اور کتاب مقدس کے کاتبوں اور پڑھنے والوں اور افسران کے لیے بھی ہوتے تھے یہ لوگ جنگ کے مواقع پر بادشاہ کے ہمرکاب ہوتے تھے اور قلعوں پر چڑھائی کے وقت لشکر کے پیش پیش رہتے۔

امرا اور روسار کی تربیت میں وہ سردار عورتیں جن کو حکومت میں قوت نافذہ[5] حاصل ہوتی تھی شریک رہتی تھیں۔ تاریخی روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ "خوین اتن" کے قصر میں ایک صاحب نفوذ عورت تربیت کے فرائض انجام دیتی تھی

ملکہ حتشبسوت کا دور حکومت

سنہ ۱۴۲۵ء میں قبل مسیح ایک عظیم الشان ملکہ مصر میں تخت نشین ہوئی باوجود اس کے کہ مصر کے لوگ عورت کا احترام کرتے تھے اور بادشاہ کی ماں کا بھی وہی اعزاز تھا جو اس کے باپ کا تھا پھر بھی عورتوں کی تخت نشینی کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ ملکہ حتشبسوت چونکہ ایک باعظمت ملکہ تھی اور عرصہ دراز تک وہ مصر پر حکمرانی کرتی رہی تھی اس لیے ہم اس کا تذکرہ اس جگہ مناسب سمجھتے ہیں اپنے دوران حکومت میں اس نے ایسی ہی شہرت حاصل کی جس طرح ملکہ "الزبتھ" اور ملکہ "وکٹوریہ" نے۔

ملکہ حتشپسوت کے دوران حکومت میں اس کا شوہر بھی حکمرانی میں شریک رہا شوہر کے بعد اسکا بھتیجا اس کی مدد کرتا رہا لیکن حقیقتاً بیس سال تک وہ مطلق العنان ہوکر مصر پر حکمرانی کرتی رہی۔

دنیا کا جب عہد طفولیت تھا "حتشبسوت" کے عہد حکومت سے قبل مصری اقوام بحر احمر کے جنوبی جانب "ملاد بنت" کی طرف لشکر کشی کیا کرتی تھیں بعض لوگ ان شہروں کو ارض سماویہ بھی کہتے ہیں لیکن یہ سلسلہ گزشتہ زمانوں میں ختم ہوگیا اور انکے واقعات محض قصہ کہانیوں کی صورت میں باقی رہ گئے۔

ملکہ حتشبسوت اپنی ایک کتاب میں قصہ بیان کرتی ہے کہ وہ ایک دن "خدائے آمون" کے عبادت خانہ میں نماز پڑھ رہی تھی کہ اسے وحی خداوندی کا احساس ہوا جس میں اسے حکم ملا کہ وہ ان شہروں (ملاد بنت) کی طرف از سر نو لشکر کشی شروع کردے اور ان راستوں کی تحقیق حال کرے جو ان ملکوں کو جاتے ہیں۔ تب اس نے وحی خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے ایک بہت بڑی کشتی بحر احمر میں روانہ کی تاکہ ان عجیب غریب ملکوں کی تحقیقات شروع کردی جائے[2]

ہم یہ تو نہیں بیان کرسکتے کہ اس کشتی کو وہاں پہونچنے میں کتنی مدت لگی لیکن بہرحال آخر میں وہ نہر نیل کے اس بہاؤ پر پہونچ گئی جو بلاد "صربال" میں نکلتا تھا۔ اور بہاؤ کے ساتھ ساتھ چلتی رہی یہاں تک کہ ان بلاد کے ایک گاؤں میں پہونچ گئی۔

مصریوں نے دیکھا کہ "بنت" کے باشندے عجیب غریب مکانات میں رہتے ہیں بعض بعض ایسی بلندیوں پر بنے ہوئے ہیں جن میں جانے کے لیے سیڑھی لگا کر چڑھنا پڑتا ہے وہاں کے باشندوں کا رنگ سیاہ نہیں ہے بلکہ مصریوں کے رنگ سے ملتا جلتا ہے مرد چکیلے دھاردار زیورات اور نہایت مختصر لباس پہنتے ہیں اور عورتیں بغیر آستین کی زرد چادر پہنتی ہیں اس مصری تحقیقاتی مہم کا سردار "نہسی" تھا جو ایک سردار اور آٹھ لشکروں کے ساتھ وہاں پہونچا تھا[3]

یہ مصری مہم جب اپنے سفر سے واپس آئی تو مصری قوم اس کے استقبال کے لیے شہروں سے باہر نکل آئی اور سب لوگ "زرافہ" کو دیکھکر بہت ہی زیادہ متعجب ہوئے جسے یہ مہم ملاد بنت سے لائی تھی اس طریقہ سے یہ مصری مہم بہت زیادہ کامیاب ہوئی ملکہ حتشبسوت نے اسی مہم پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے بعد برابر اس قسم کے لشکروں کو بھیجتی رہی۔

ملکہ حتشپسوت نے ایک عظیم الشان مندر کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی یادگاریں چھوڑی ہیں جو اس کی عظمت اور شان کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک دن وہ محل میں بیٹھی ہوئی خدا کے متعلق کچھ سوچ رہی تھی کہ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ "آمون" معبد کے سامنے دو ستون بنانے چاہئیں چنانچہ اس نے سنوت انجینیر کو حکم دیا اس نے حکم کے مطابق عظیم الشان پتھروں کے دو ستون نیل کے راستے وہاں پہنچا دئے ایک ستون "لیکو نترا" نہر تمیس کے کنارے اب بھی موجود ہے جس کی لمبائی اب ۹۷ ½ قدم ہے اور ہر ایک کا وزن تین سو پچاس ٹن ہے۔ آجکل کے انجینیر حیران ہیں کہ اتنا وزنی

[2] توت عنخ آمون" مولفہ ن۔ بی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۴۔

[3] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مذکور صفحہ ۱۷۴ و ۱۷۵۔

پھر کس طرح نقل کیا گیا یہ سخوت کی کاریگری تھی کہ وہ ان دونوں کو دریائے نیل میں بہا کر لے آیا اور لا کر نصب کر دیا اور اس تمام کام میں صرف سات مہینے کی مدت صرف ہوئی ان میناروں میں سے ایک مینار اب گر چکا ہے اور ایک اب تک موجود ہے بہرحال یہ دونوں ستون اس چیز کو ظاہر کرتے ہیں کہ ملکہ کے ارادے بہت بلند تھے اور گزشتہ زمانوں میں ملکہ کو اس قسم کی چیزوں میں نہایت مہارت تھی اور وہ اپنے خالق کے معاملہ میں سوچ بچار کرنے میں اپنا بہت سا وقت صرف کرتی تھی [1]

تعدد ازدواج

تعدد ازدواج کی صورت میں مرد و عورت میں مساوات یا عورت کے حقوق کی حفاظت کس طرح ممکن ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو مصر کے قدیم حالات اور وہاں کے باشندوں کے معاشرتی کیفیات کا مطالعہ کرنے کے بعد قدرتی طور پر دل میں پیدا ہوتا ہے لیکن یہ سوال ایسا پیچیدہ اور حل نہ ہو سکنے والا نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم اس ملک کی ہیئت اجتماعی پر غور کریں حقیقت یہ ہے کہ مصر میں مردوں کے چند ممتاز طبقات موجود تھے اور ہر مرد کو اپنے مخصوص طبقہ میں ہی نکاح کی اجازت تھی۔ یہی بیوی اس کی قانونی بیوی سمجھی جاتی تھی اور گھر کے اندر سردار کا درجہ رکھتی تھی اور اس کو وہی سب حقوق حاصل تھے جن کا تذکرہ اوپر کی سطور میں آچکا ہے اپنے طبقہ کی ایک عورت سے شادی کر لینے کے بعد مرد کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ کسی طبقہ کی دوسری عورتوں سے شادی کرے ہاں اسے اس کی اجازت تھی کہ اگر وہ اسکی ضرورت سمجھے تو کچھ لونڈیاں رکھ سکتا تھا ان لونڈیوں پر اصل بیوی کا پورا اقتدار اور اثر ہوتا تھا اور وہ اپنے مالک پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتی تھیں مرد صرف اپنے عیش و آرام کے لیے انکے کھانے اور کپڑے کا کفیل ہوتا تھا اور ان کی آسائش و آرائش کے دوسرے سامان مہیا کرتا تھا دوسرے حرم کا رکھنا کسی کے لیے کوئی بری بات یا بداخلاقی نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مصر کے بادشاہوں کی حالت ازدواج کے معاملہ میں کسی خاص اصول کی پابند نہیں تھی اور ان میں بطور داشتہ یا کنیز سینکڑوں عورتیں رکھنے کا رواج تھا اس لیے اس صورت حال کا اثر وہاں کی پبلک پر بھی پڑنا یقینی تھا چنانچہ وحدت ازدواج کی جو حالت اوپر بیان کی گئی ہے وہ بہت عرصہ تک قائم نہیں رہ سکی پھر ایک ایک مرد اپنے طبقہ کی کئی کئی عورتوں سے نکاح کرنے لگا اور تعدد ازدواج کا دور دورہ ہو گیا لیکن ماہرین اثریات نے بہت سے شواہد کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ تعدد ازدواج کے باوجود مصری عورت کے حقوق قائم رہے چنانچہ مسز لوئیزا برٹس ملسٹن فرماتی ہیں کہ اگرچہ مرد کو اس کا حق و اختیار رہتا کہ وہ اپنے طبقہ کی جس قدر عورتوں سے چاہے نکاح کر لے لیکن اس سے عورتوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک علیحدہ مکان میں رہتی تھی اور اس کو اپنے ماحول میں پوری آزادی حاصل تھی شوہر جس بیوی کے ہاں جاتا وہاں اس کی حیثیت ایک مہمان کی سی ہوتی اور اس کا اسی طرح استقبال کیا جاتا تھا کہ جس طرح ایک میزبان اپنے مہمان کا کرتا ہے"[2]

نکاح کے عہد ناموں کی ابتدا

مصر کے آخری شاہی خاندانوں میں عمل کی وہ تیزی نہیں رہی اس کی جگہ تخیل نے لے لی تھی فراعین کا وہ تخت جو سرگرم عمل اور با جبروت شہنشاہوں کا مسکن تھا اب آرام پسند اور تخیلی فرمانرواؤں کے پاس تھا یہی وجہ ہے کہ اب اور قتل و خون اور ملک گیری کے مظاہر کی بجائے تمدن و معاشرت میں نئی نئی باتیں اختراع کی جا رہی تھیں۔ فرعون بوخوس نے ایک خاص مذہب ایجاد کر کے اس کو رواج دینا شروع کیا اس کی رو سے حق انتقال ملکیت جائز رکھا گیا یہی وہ زمانہ تھا کہ جب تعدد ازدواج کی رسم اپنے پورے لوازم سے جاری تھی۔ یہ صورت حال دیکھ کر عورتوں کو اپنی پڑی اور انھوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کی تدبیریں شروع کر دیں اور نکاح کے وقت عورتیں مردوں کو بہت سی شرطوں کا پابند کرنے لگیں۔ مثلاً ایک عورت کی موجودگی میں اگر مرد دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو اس بیوی کی اولاد کو ورثہ میں کوئی حق نہ ہوگا بلکہ تمام ورثہ کی مالک پہلی اولاد ہوگی بعض عورتوں نے خلع کا حق بھی اپنے لیے محفوظ کرا لیا اور بعض تو اتنی بڑھیں کہ مرد کو طلاق کا حق قطعی نہیں ہوگا لیکن عورت جس وقت چاہے مرد سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے عورتوں کی اس سخت گیری اور ان شرائط ناموں اور دستاویزوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ تعدد ازدواج کا بہت حد تک انسداد ہو گیا ہم آخر کے کسی عنوان میں مصری عورت کے انحطاط پر بھی روشنی ڈالنے کا قصد رکھتے ہیں۔

خانگی زندگی سے باہر

ہیرو ڈوٹس اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ مصر کی عورتیں تجارتی مصالح اور اغراض کی خاطر بازاروں میں جاتی ہیں اور بعض بعض تجارتیں ان کے ہاتھ میں ہیں اس کے برخلاف مرد گھروں میں کپڑا بنا کرتے ہیں ہیروڈوٹس کا یہ بیان اس زمانے کے متعلق ہے جبکہ وہاں غیر مصریوں کی حکمرانی کا دور دورہ تھا اس بیان کی تصدیق ہمکو قدیم تصویروں اور کتبوں سے بھی ہوتی ہے کیونکہ زمانہ فراعین مصر میں بھی عورتوں کو باہر نکلنے اور تجارتی امور میں حصہ لینے کی ممانعت نہیں تھی اور ان کا اس عہد میں بھی تقریباً

---

[1] ملکات عنخ آمون مولفہ ن ی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۶۔

[2] لامعین صفحہ ۱۵ بحوالہ المراۃ فی التاریخ والشرائع صفحہ ۱۷۔

وہی حال تھا جس کا نقشہ ہیروڈوٹس نے کھینچا ہے یعنی جوتنے اور کھیتی کاٹنے میں اور دوسرے معاشی اور معاشرتی کاموں میں عورت مردوں کے ساتھ برابر کا حصہ لیتی تھی۔ علوم کی تحصیل میں وہ نمایاں تھیں چنانچہ "الکانیں" "اینزنا" اور "سینز وسترس" علوم فلکیہ میں مہارت رکھتی تھیں اور بالتفصیل علوم فلسفیہ سے بید شغف رکھتی تھی [۱]

مصری جنازوں میں بھی عورتوں کی شرکت ضروری تھی مقابر سے جو تصویریں دستیاب ہوئی ہیں چونکہ ان کا جنازوں سے قریبی تعلق ہے اس لیے ان میں جنازوں کے مناظر کی بھی کثرت ہے۔ مصر میں جب کوئی بڑا آدمی مرجاتا تھا تو اس جنازہ کا جلوس بھی بڑا اور شاندار ہوتا تھا۔ میت کی تمام ضروری رسمیں حسب قاعدہ ادا کرکے ختم ہوجاتی تھیں اور جنازہ گھر سے روانہ ہوتا تھا تو اس وقت سب سے آگے خادموں کی ایک جماعت ہوتی تھی جن کے کندھوں پر بڑے بڑے خوانچے رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان خوانچوں میں پھل کیک قسم قسم کے پھول اور خوشبوئیں شراب کی صراحیاں اور لکڑی کی تختیاں اور دوسرے تبرکات ہوتے تھے۔ یہ سب چیزیں میت کے ساتھ مقبرے میں رکھی جائیں گی تاکہ اس ہولناک جگہ میں اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ خادموں کی اس جماعت کے پیچھے ایک اور مختصر سی جماعت ہے جو بڑے بڑے صندوق تختوں پر رکھے ہوئے ہیں اٹھائے ہوئے ہے اور ان کے دائیں بائیں دو نجومی ہیں انکے پیچھے پیچھے ایک اور جمعیت ہے جو چھوٹی چھوٹی تصویریں ہتیار، پنکھے، تلّے۔ انگوٹھیاں اور ہار لیے ہوئے ہے اور انکے قدم بقدم کچھ لوگ مقدس کشتی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور انکے پاس بھی چھوٹی چھوٹی تصویریں اور کچھ پرندوں کی تصویریں بھی ہیں جو ان کے خیال میں روح کی متشکل صورت ہیں پھر سات یا آٹھ آدمی پھولوں سے بھرے ہوئے صندوق اور عطر کی شیشیاں لئے ہوئے چل رہے ہیں۔ اب عورتوں کی باری آئی۔ کوئی سات آٹھ عورتیں رومالوں سے اپنے سروں کو باندھے ہوئے ہیں اور سینہ کوبی کررہی ہیں اور ایسے دردناک اشعار پڑھ رہی ہیں کہ سننے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ان عورتوں کے پیچھے ایک عورت ہے جو "سینز ستیاکوس" کی اس تصویر کے روبرو جو بندر کی صورت پر بنائی گئی ہے عبادت کی کچھ رسمیں ادا کررہی ہے اس عورت کے پیچھے ایک بڑا نجومی ہے جو چیتے کی کھال میں لپٹا ہوا ہے اس کے ایک ہاتھ میں انگیٹھی ہے جس میں مختلف قسم کی دھونیاں جلا رہا ہے۔ اب میت کا صندوق ہے جسے چار بیل اور سات آدمی ایک شخص کی نگرانی میں کھینچ رہے ہیں اور یہی شخص تمام جلوس کا گویا مہتمم ہے اس کے پیچھے میت کے رشتہ دار عورتیں ہیں جو مرنے والے کی محاسن بیان کرکے رورہی ہیں [۲]۔ غرض اس کرّوفر سے جنازہ مقبرے میں پہونچتا تھا ہم نے

[۱] المراۃ فی التاریخ والشرائع صفحہ (۱۲) [۲] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو توت عنخ آمون صفحہ۔

اس جنازہ کو ادھر چھوڑدیا ہے ورنہ ناظرین کو معلوم ہوجاتا کہ عورتیں مراسم تجہیز وتکفین میں کیا کیا اور کتنا کتنا حصہ لیتی تھیں اور اس تذکرہ سے ہمارا مقصد یہی ہوتا کہ ہم مصر قدیم کی عورت کی خانگی زندگی سے باہر کے حالات اور نمایاں کرتے

بچے

اولاد کے لیے والدین کی فرماں برداری ضروری تھی اور ہر لڑکے کا یہ فرض تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا مقبرہ بنوائے اور اسکی نگرانی کرے۔ ماں باپ کی شفقت گھر والوں کی محبت وہمدردی اور اولاد کی سعادت مندی جس کو حاصل ہوجائے وہ بڑا خوش نصیب سمجھا جاتا تھا۔ قدیم مصری مقبروں کے اکثر کتبوں میں یہ عبارت کندہ ملتی ہے۔

"میرا باپ مجھے پیار کرتا تھا۔ ماں میری تعریف کرتی تھی اور بھائی بہن مجھ سے محبت کرتے تھے" [۳]

مصر قدیم کا بچہ آجکل کے بچے کے مقابلہ میں زیادہ جاذب توجہ تھا اس کی ماں تین سال برابر اس کی خبرگیری میں مصروف رہتی تھی اور جہاں بھی جاتی اپنے کندھے یا ہاتھوں پر اٹھا کرلے جاتی تھی جب وہ بیمار ہوتا تو وہ طبیب کی طرف رجوع کرتی اور وہ نہایت قابلانہ انداز سے بہت سے مرکبات تجویز کرڈالتا تھا۔ کچھوے کے خون۔ خنزیر کے کان اور قسم قسم کے چربیوں اور گوشت کے مرکبات تیار کراکے کھلانے کا حکم دیتا تھا۔ اور کبھی کبھی ناک بھول چڑھا کر ارشاد ہوتا تھا کہ یہ بچہ مریض نہیں ہے بلکہ اس پر جادو کا اثر ہے۔ تو ٹھیکر جادو کی دوا تجویز کرتا اور کہتا کہ ایک بڑا خنفسا لے لو اور اس کا سر اور پیر کاٹ کے علحدہ کرو اور اسے زیتون کے تیل میں جوش دے لو پھر اس کے سر اور پیروں کو سانپ کی چربی میں حل کرلو پھر دونوں کو ملاکر بچے کو پلادو۔ بسا اوقات وہی طبیب صاحب نسخہ کے بجائے تعویذ لکھکر عنایت فرمادیتے تھے جس کو درد کی جگہ باندھنے کا حکم دیتے تھے اکثر اوقات ماں یہ بھی سمجھتی تھی کہ یہ بچہ امراض سے پاک وصاف ہے لیکن سحر کے خیال سے بےچین رہتی اور سمجھتی کہ اس بچے کے قریب کوئی جن ہے جو بار بار اس کو نوچتا ہے اور اسی وجہ سے بچہ روتا ہے وہ اٹھکر اس جن سے کہتی ہے "اے جن کیوں تو اس بچہ کو پیار کرنا چاہتا ہے۔ میں اس کی طاقت نہیں رکھتی تو اسے چومے۔ کیا تو اسے لوریاں دینے آرہا ہے مجھے یہ پسند نہیں کہ تو اسے لوریاں دے۔ کیا تو اسے نقصان پہونچانے آیا ہے مجھے گوارہ نہیں کہ تو اسے ضرر پہونچائے۔ کیا اسے پکڑنے آیا ہے۔ اس کی طاقت نہیں رکھتی تو اسے پکڑے" [۴]

[۳] اے ہسٹری آف ایجپٹ از جمیس ہنری بریسٹیڈ پی ایچ ڈی صفحہ (۸۵)

[۴] تفصیل کیلئے دیکھئے توت عنخ آمون مولفہ ن۔ بی صفحہ ۱۲ فصل ۵ النشاۃ المصریۃ القدیمہ

وہ منظر بھی کتنا دلکش ہوتا تھا جب باپ اپنے بیٹے کو اپنے آخری ساعتوں میں نصیحت کرتا تھا میں نے تمہاری ماں کو تمہارے سپرد کیا۔ اس نے تمہیں بطن میں رکھا تمہارے لئے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں اس نے تمہیں مدرسہ میں داخل کیا تاکہ تم علم حاصل کرو وہ ہر روز مدرسہ میں تمہارے لئے کھانے پینے کی اچھی اچھی چیزیں بھیجتی تھی اور جب تم بڑے ہوئے تو اس نے تمہارے لئے اچھی بیوی تلاش کرکے اس سے تمہاری شادی کردی اب جبکہ تم بال بچے دار ہوگئے ہو تو تمہیں اپنی اس ماں سے آنکھیں نہیں پھیرنی چاہئیں جس نے تمہیں جنا۔ اور نہ اپنی بیوی سے بے مروتی اور کج رخی کرنی چاہئے جس نے اپنی تمام خواہشات کو تمہاری مرضی پر رکھ دیا ہو ان دونوں میں سے کسی کو برا بھلا نہ کہو تاکہ یہ تمہارے حق میں بد دعا نہ کریں۔"

لباس

مصر قدیم میں عورتوں کا لباس بہت مختصر ہوتا تھا نیلے رنگ کا ایک تنگ کرتا جس کا گلا اکثر کندھوں پر ہوتا تھا اور جس کا دامن ذرا ڈھیلا ڈھیلا ہوتا تھا پہنتی تھیں۔ پہلے قدرتی بالوں پر ٹوپی اوڑھی جاتی تھی جیسا کہ چوتھے خاندان کے ایک مجسمے سے ظاہر ہے جو برٹش میوزیم میں موجود ہے ٹوپی کے نیچے سے مانگ بھی دکھائی دیتی تھی۔ عورتوں کی ٹوپیاں مردوں کی ٹوپیوں سے ہمیشہ لمبی ہوا کرتی تھیں بارھویں خاندان کے زمانہ میں بال خواہ قدرتی ہوں جو مصنوعی دو حصوں میں عجیب طریقہ سے رکھے جاتے تھے ان کو سنہری فیتوں میں گوندھ کر چھاتیوں کے دونوں طرف لٹکا دیا جاتا تھا۔ ان میں چھوٹی چھوٹی مینڈھیاں بھی گوندھی جاتی تھیں سر کا یہ لباس اٹھارھویں خاندان تک جاری رہا جبکہ اس کی جگہ اس سے زیادہ پھیلے ہوئے اور گھونگر دار بالوں کے لباس نے لے لی۔ یقیناً بعض بعض عورتیں بھی مردوں کی طرح سر کو منڈواتی تھیں لیکن عام طور پر قدرتی بال لمبے رکھتی تھیں حالانکہ زمانہ سلاطین سے پیشتر کے زمانہ سے لیکر آخر تک سوائے تیرھویں اور یقیناً اٹھارویں خاندان کے زمانہ میں کبھی لمبے بال نہیں رکھتے تھے اٹھارویں خاندان کے آخر زمانہ میں فیشن ایبل عورتوں نے ٹوپی کو ترک کرکے منڈے ہوئے سر کے حصوں کو کھلا رکھنا شروع کر دیا جو اس سے پہلے انھوں نے کبھی نہیں کیا تھا۔ ملکہ نفرتی اپنی منڈی ہوئی چندیا پر لمبی بالدار ٹوپی پہنتی تھی اور اس کے پیچھے جھالریں لٹکتی تھیں لیکن اس کی بیٹیوں کے سر منڈے ہوئے بلکہ بد وضع دکھائے گئے ہیں بلکہ یہ حقیقت نمایاں ہے کہ بچپن میں لڑکیوں کے سروں کو ڈیوڈ کنڈ آندین یا برازیل یا انکاس یا جزیرہ دسلیمان کے باشندوں کی طرح ابھارا گیا تھا۔ زمانہ میں لمبا کرنے کی رسم بطور فیشن کے جاری تھی بظاہر اس فیشن کا زیادہ عرصہ رواج نہیں رہا لیکن شاہی خاندان کی عورتیں یقیناً عرصہ دراز تک اس کے بعد اپنے سروں کو منڈواتی اور بالدار ٹوپی کو ترک کرتی رہیں تاکہ آسانی سے اپنی پسندیدہ طرز کا لباس پہن سکیں۔

اس زمانہ اور اس کے بعد کے زمانہ کی جو عورتوں کی ممیاں ملی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سروں پر قدرتی اور مصنوعی دونوں قسم کے بال موجود ہیں۔

ایک غیر معروف عورت کے جو آمن ہوتپ کے مقبرہ میں دفن ہے بڑے لمبے لمبے بال ہیں کم عمر لڑکیاں لڑکوں کی طرح نوجوانی کی علامت کے طور پر اپنے قدرتی بالوں کے ایک حصہ میں مینڈھیاں گوندھ کر سر کے ادھر ادھر لٹکاتی تھیں لیکن بعض لڑکیاں لڑکوں کی نقل میں سر کے کچھ حصے منڈواتی تھیں زمانہ قدیم کے تنگ لباس کی بجائے جو ہمیں آخر زمانہ تک دیویوں کے مجسموں میں دکھائی دیتا ہے اٹھارھویں میں ایک خوش وضع مردوں کے لباس سے ملتا جلتا ہے لیکن اس سے زیادہ لمبا لباس اختیار کرلیا گیا۔

خاص رنگ کی پوشاک ملکہ کا لباس ہے۔ عورتوں کی مالائیں۔ کان کی کیلیں کھڑاویں وغیرہ مردوں جیسی ہیں اگرچہ عورتیں اتنی زیادہ کھڑاویں استعمال نہیں کرتیں جتنی کہ مرد یہ عام لباس آخر تک جبکہ رنگ کا استعمال شروع ہوا۔ مروج رہا۔ رومیوں کے آخر عہد میں پر تکلف وضع کا شال کی وضع کا لباس پہنا جانے لگا۔ عورتیں اکثر اپنے سر پر نرگس کا ایک پھول پہنتی تھیں۔ تہوار و تقریب کے موقع پر مرد عورت دونوں نہایت خوشبودار مصالحہ کی ڈلی اپنے سر پر رکھنے کا شوق رکھتے تھے۔ یہ چیز نہایت احتیاط سے مقبروں اور مجسموں کے پتھروں کی نقاشی میں قائم رکھی گئی ہے رومیوں کے عہد میں عورتیں (مرد صرف دعوتوں کے موقعہ پر) بڑے بڑے ہار پہنتی تھیں [1]

مصر قدیم کی عورت کا انحطاط

ماہرین علم الاجتماع کا خیال ہے کہ مصری عورت کو سالہا سال تک مساوی حیثیت سے باقی رکھنے والی چیز مصریوں کا نظام اراضی تھا ان کے ہاں اموال منقولہ کی کوئی زیادہ قدر و قیمت نہیں تھی۔ سب لوگوں کی ذہنیت کچھ ایسے سانچے میں ڈھل گئی تھی کہ وہ ملکیت اور وراثت کا کچھ زیادہ خیال نہیں کرتے تھے۔ وراثت کے معاملہ میں مرد اور عورت کی جو مساوات رہی اس کا سبب بھی اسی ذہنیت کو سمجھنا چاہئے۔

یہ نظام اراضی اور نظام سلطنت کچھ اس طرح وضع کیا گیا تھا یا وضع ہوگیا تھا کہ اس میں تین ہزار برس تک کسی خاص تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوئی ہمکو یہاں اس چیز سے بحث نہیں کہ انسانیت کے بلندترین مطامح کے لحاظ سے یہ نظام حکومت کس قدر غیر مناسب تھا ہم کو تو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس ملک میں ۲۶ شاہی خاندانوں نے

حکمرانی کی اور یکے بعد دیگرے کوس لمن الملک بجاتے رہے اور رعایا کے حالات میں کوئی نمایاں انقلاب رونما نہیں ہوا۔ جب حالات کی تبدیلی کی رفتار گو یا کچھ تھی ہی نہیں تو پھر عورت کی معاشرتی حالت میں کوئی تغیر کیوں ہوتا ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی خاندانوں سے لیکر آخری شاہی خاندان تک عورتوں کے معاشری حقوق اور معاشی حالات بنیادی طور پر وہی رہے۔ البتہ ان میں اگر کوئی تبدیلی یا انقلاب ہوا تو فراعنہ کی حکومت ختم ہونے کے بعد۔

جب بطلیموسی خاندان مصر پر حکمراں ہوا تو وہ اپنے ساتھ دوسرے ہی قومی خصائص اور مخالف معاشرتی حالات لایا جب فیلوتا ادر بطلیموسی کا زمانہ آیا تو اس نے ایسے احکامات نافذ کئے جنہوں نے مصری عورت کی آزادی کو سلب کرلیا اس نے عورتوں کے نفقہ جات اور غلبہ کو قانوناً رد کیا مردوں کے اختیارات بڑھائے۔ جیسل (Bussell) کہتا ہے کہ یونانیوں خصوصاً اتھینز والوں نے مرد کے حقوق کو ممتاز کرنے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں جب ہم تاریخ پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت اور مرد میں مکمل درجہ مساوات تو کبھی قائم ہی نہیں ہوا مصری عورت باوجود اس کے کہ وہ بہت بلند معاشرتی مراتب پر فائز تھی اور اسی سے سلسلہ نسب قائم کیا جاتا تھا پھر بھی وہ مرد کے تسلط سے باہر نہیں تھی بعض مقابر کے نقوش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقوق زوجیت کے احترام کو بہت مقدس خیال کرتی تھی

بعض آثار قدیمہ میں مرد کے لیے یہ وصیت موجود ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو عورت پر اقتدار حاصل تھا اور وہ ان سے نرمی کا معاملہ نہ کرتے تھے تخت و تاج کی وراثت پر بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اس وقت تخت و تاج کی مالک ہوتی تھی جبکہ نرینہ اولاد موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ملوک مصر کے نقشہ میں ۲۰۰ مرد شاہوں کے مقابلہ میں صرف پانچ عورتیں ملکہ نظر آتی ہیں عورت جب کبھی تخت و تاج کی مالک ہوتی تو یہ محسوس کرتی تھی کہ وہ اس درجہ پر ہے جو حقیقتاً اسکا نہیں ہے بلکہ مرد کا ہے ملکہ "حتشبسوت" جو ۱۵۰۰ء میں قبل مسیح حکمراں ہوئی وہ رائے عامہ کی وجہ سے اس بات پر مجبور تھی کہ مردوں کا لباس پہنکر اپنے آپ کو مرد ظاہر کرے ان مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری عورت کے متعلق استقلال اور حریت و مساوات کی جو کچھ داستانیں ہیں وہ دوسرے ممالک کی نسبت سے ہیں ورنہ مرد ہی ہمیشہ عورتوں کے مقابلہ میں با اختیار ہوتے چلے آئے ہیں فقط۔

از علی اشرف

آ کہ اب جینا مرا دشوار ہے تیرے بغیر
آتشِ ارماں میں جاں زار ہے تیرے بغیر
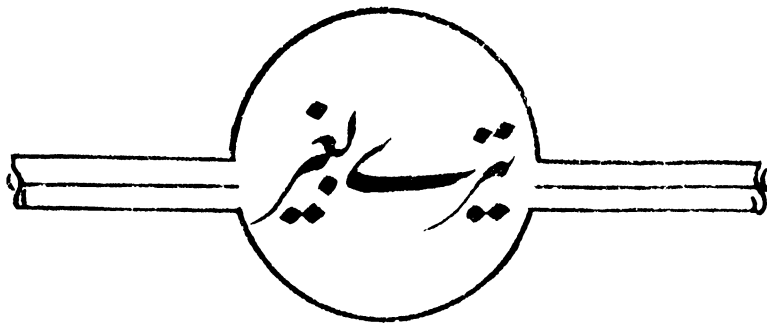
گو نما پھیکا ہے بہار عالمِ امکاں کا رنگ
کیسی اجڑی رونق گلزار ہے تیرے بغیر

آ کہ پھر تجھ کو سناؤں ماجرائے دردِ دل
خامشی اک مستقل آزار ہے تیرے بغیر

ناز فرماتے ہوئے آ اب تو اے جانِ چمن
ہے صبا آوارہ اور گل خار ہے تیرے بغیر

وسعتِ صحن گلستاں چاندنی ٹھنڈی ہوا
ایسے غمخواروں سے جی بیزار ہے تیرے بغیر

جلوہ فرما شان سے پھر تخت گاہِ ناز پر
کتنی سونی عشق کی سرکار ہے تیرے بغیر

پھر بہار آئی اٹھی ہے موج صہبا ساقیا
تشنہ لب لیکن ترا مئے خوار ہے تیرے بغیر

از جناب عبدالباری صاحب معنی اجمیری

دائم، اللہ ترا عہدِ سعادت رکھے ۔۔۔ زیبِ سر تیرے، سدا تاجِ خلافت رکھے
تیری چوکھٹ کو ہمیشہ درِ دولت رکھے ۔۔۔ تا ابد خالقِ عالم یہ ریاست رکھے
تجھ کو عثماں بصد اجلال سلامت رکھے

جیسے تو خسروِ حق بین ہے بہ فضلِ یزدان ۔۔۔ جیسے تو متبعِ دین ہے بہ فضلِ یزدان
جیسے تو صاحبِ تمکین ہے بفضلِ یزدان ۔۔۔ جیسے تو، فخرِ سلاطین ہے بفضلِ یزدان
یوں ہی ممتاز ترا دورِ حکومت رکھے

خسروا، دھر میں جبتک ہے یہ دورِ قمری ۔۔۔ تختِ شاہی پہ مبارک ہو تجھے جلوہ گری
تا ابد کشتِ رعیت رہے، دنیا میں ہری ۔۔۔ آل و اولاد کو اللہ دے عمرِ خضری
ان سے آباد ترا خانۂ دولت رکھے

ہو سکندر سے بھی اعزاز دوچندان تیرا ۔۔۔ ہمسرِ بزمِ سلیمان ہو شبستان تیرا
رشکِ قصرِ فریدون رہے ایوان تیرا ۔۔۔ جودِ حاتم رہے شرمندۂ احسان تیرا
عدلِ کسریٰ کو خجل تیری عدالت رکھے

جبتک انجم، سرِ افلاک پسِ ماہ رہیں ۔۔۔ دولت و فتح و ظفر سب ترے ہمراہ رہیں
شاہِ مرداں، تری تائید پہ اے شاہ رہیں ۔۔۔ خندہ زن صورتِ گل تیرے ہوا خواہ رہیں
آ کے قدموں پہ عدو فرقِ اطاعت رکھے

خطبہ پڑھتے ہیں ترے نام کا منبر پہ خطیب ۔۔۔ ذکر کرتے ہیں ادب سے ترا، دنیا کے ادیب
جشن پاتے رہیں ایسے ہی ہزاروں ترتیب ۔۔۔ سب رعایا کو تری سالگرہ کی تقریب
با نشاط و طرب و عیش و مسرت رکھے

صاحبِ عظمت و اجلال نظامِ سابع ۔۔۔ سایۂ ایزدِ متعال نظامِ سابع
تو رہے تا صد و سی سال نظامِ سابع ۔۔۔ بنکے ساقی ترا اقبال نظامِ سابع
تجھ کو صہبا کشِ خمخانۂ عشرت رکھے

سالگرہ نمبر صبح دکن　　　　بابتہ سنہ ۱۳۵۶ھ

بسرپرستی عالیجناب نواب میر یوسف علی خاں بہادر سالار جنگ ثالث دام اقبالہ

اشاعت خصوصی حیدرآباد کے سربرآوردہ خاندانوں کی پرشکوہ زندہ جاوید تاریخ

مرقع دکن

بفضلہ تعالیٰ اس ادارہ کا پہلا مرتبہ شاہکار "جشن عثمانی" یہ یادگار سلور جوبلی مبارک اشاعت پاکر حضرت اقدس و اعلیٰ کی پسندیدگی و خوشنودی کی عزت اور حکومت و پبلک سے خراج تحسین حاصل کرچکا ہے۔ ایل ادارہ کا دوسرا کام "مرقع دکن" کی تالیف ہے جو دکن کی مصور ایسی جامع تاریخ ہوگی جس میں خانوادہ شاہی کی مکمل سوانح کے ساتھ عہد حاضرہ کے خصوصی تمام درخشاں کارنامے اور حیدرآباد کے سربرآوردہ خاندان و شخصیتوں کے مکمل و جامع حالات معہ تصاویر درج ہونگے مثلاً امراء عظام۔ وزراء و ممبران باب حکومت، امراء جاگیرداران، والیان سمستان، عہدہ داران معززین۔ سربرآوردہ ساہوکاروں کے تفصیلی حالات بلحاظ مراتب و مدارج اس تاریخ کے صفحات کی زینت بنینگے۔

زمانہ ماضیہ سے ابتک اس نوعیت کی جس قدر تاریخیں دکن سے متعلق اردو، انگریزی میں لکھی جاچکی ہیں انکو مرقع دکن سے کوئی نسبت نہ ہوگی جس کی بالاستعاب تصدیق ایک بار اس کے منظر عام پر آنے کے بعد بخوبی ہوجائے گی کیونکہ شائع شدہ تمام تاریخوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حتی الامکان "مرقع دکن" کو اسم بامسمی بنانے اور اسکا کارآمد و ملکی مفید معلومات بہم پہونچانے کا کافی احاطہ کیا گیا ہے۔ جو صوری و معنوی خوبیوں سے مملو اور امتیازی خصوصیات و جدتوں کیساتھ اپنی نوعیت کا یادگار جاوید فخر روزگار یگانہ مرقع ہوگا جس کی تیاری پر ہزاروں روپیہ صرف کیا جاچکا اور کیا جارہا ہے چنانچہ بعد اشاعت بربناء مقبولیت نہ صرف حدود ملک سرکار عالی بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں اشاعت پائے گا۔

لہذا یہ مرقع اس وقت زیر اہتمام و زیر طبع ہے جو دور حاضرہ کے تمام سربرآوردہ خاندانوں کا قابل فخر مرقع ہوگا۔ جن خاندانوں اور معزز ہستیوں کے حالات معہ تصاویر ہنوز دفتر ہذا پر وصول نہیں ہوئے ہیں ان سے امید کیجاتی ہے بفور ملاحظہ اعلان ہذا اس تاریخی عظیم الشان شاہکار میں اشاعت تصاویر معہ حالات کی جانب جلد عملی توجہ مبذول فرماکر اس ملکی خادم ادارہ کو دستگیری و سہولت کا موقع بخشا جائیگا جن لوگوں نے اس ادارہ کے شائع کردہ شاہکار جشن عثمانی کو ایکبار دیکھا ہے ان سے کسی طرح اس عظیم الشان تاریخی مرقع دکن میں شرکت سے بے اعتنائی کی توقع نہیں کیجاسکتی یہ ایک قابل قدر اور زرین موقع ہے جلد شرکت فرماکر اس تاریخی شاہکار کی تالیف میں سہولت بخشنا اور اسکو کامیاب بنانا آپکا اخلاقی فریضہ ہے مخفی مباد کہ مرقع دکن کی قیمت (صـــ) روپیہ سے کم ہوگی اس سے خود کتاب کی عظمت اور برتری کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے جسمیں (۵۰۰) سے زائد بلاکس کلکتہ و بمبئی کی انگلش کمپنیوں سے تیار کردہ اس کتاب کی زینت کو دوبالا کرینگے۔ فقط

محمد فاضل
مدیر شاہکار جشن عثمانی و مرقع دکن
و رسالہ حمایت دکن

پتہ۔ دیوڑھی ماما جمیلہ شہر حیدرآباد دکن۔

سالگرہ نمبر صبح دکن
بابتہ ۱۳۵۶ھ
نگاہ سیر نگردد ز صفحہ گردانی
ببیں بغور چہ چیز است جشن عثمانی
(از علامہ نواب ضیا یار جنگ بہادر)
سلور جوبلی کا خاص نمبر جشن عثمانی
سلور جوبلی ہمایونی کا پرشکوہ تاریخی شاہکار
جشن عثمانی
جس کو بارگاہ ظل سبحانی میں پیش کشی کی عزت حاصل کرنے کے بعد شرف ملاحظہ بخشکر حضرت اقدس و اعلیٰ نے بیحد پسند فرمایا ہے سررشتہ معلومات عامہ و جرائد اور پبلک سے بھی خراج تحسین حاصل کر چکا ہے اور جوبلی کمیٹی نے بہ منظوری بندگانعالی اس امتیازی اور خصوصی کام کے صلہ میں سرٹیفکیٹ دینا طے کیا ہے۔ بصرف زر کثیر نہایت آب و تاب سے اشاعت پاکر کافی مقبولیت کیساتھ فروخت ہو رہا ہے۔
سیرت و مکارم شاہانہ کا زرین تذکرہ۔ دور عثمانی کے درخشاں کارناموں کا مکمل گنجینہ۔ دکن و برار کے تاریخی اور جغرافیائی حالات اور نقشے۔ سلاطین آصفیہ کے عہد حکومت کا مکمل مرقع۔ سررشتہ وار شعبہ جاتی ترقیوں کا تاریخی خزینہ۔ الغرض (۲۵) سالہ عہد ہمایوں کا یہ عظیم الشان شاہکار تمام صوری و معنوی خوبیوں سے مزین ہے۔ ضخامت ۵۰۰ صفحات کلاں۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب ۲۵۰ سے زاید نایاب و خاص ایسی تصاویر ہیں جن کو دیکھکر ترقیات عہد عثمانی کی مصور و تاریخی نمایش بہ یک وقت آپ اپنی نظروں کے سامنے پائیں گے۔ جس کا ہر گھر ہر دفتر اور ہر کتب خانہ میں رہنا ضروری ہے۔ آجتک دور عثمانی کی جملہ یادگاروں کے ساتھ باتصویر ایسی کوئی جامع کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کو ایں خصوصیات اولین ہونے کی عزت حاصل ہو گئی ہے۔ جس کی تصدیق و توثیق ایک نظر اس کے ملاحظہ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ قیمت قسم عام مجلد سفید عمدہ چکنا کاغذ (عہ) روپیہ قیمت قسم خاص مجلد آرٹ پیپر سنہری ڈائیاں (عہ) روپیہ ہے۔ مخفی مباد کہ جوبلی مبارک کا یہی ایک تاریخی اور قابل ریکارڈ شاہکار ہے۔ اُمید کہ شایقین اس کی خریداری میں عجلت فرمائیں گے۔ تاکہ ختم ہوجانے کے بعد کف افسوس نہ ملنا پڑے فقط
محمد فاضل
مدیر شاہکار جشن عثمانی و مرقع دکن
و رسالہ حمایت دکن
پتہ۔ دیوڑھی ماماجمیلہ شہر حیدرآباد دکن۔

۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس کا بانی مبانی

جان روسو

از جناب سید عبید الحق صاحب صبر

روسو جنیوا میں ۱۷۱۲ء میں پیدا ہوا تھا اس کا باپ ایزک روسو ایک غریب ست، ناکارہ اور بد اخلاق آدمی تھا گھڑیوں کی مرمت کرتا اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر پیٹ پالتا تھا لیکن اس کی ماں بہت شریف تھی۔ روسو نے اپنے ماں اور باپ دونوں کے اخلاق ورثتاً پائے تھے۔

روسو کی ابتدائی تعلیم نہایت ناقص تھی بچپنے ہی سے افسانے اور خیالی قصے پڑھنے کا شوق تھا لیکن تمام مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ یہ مطالعہ اُس کے عجیب ذہن کے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ثابت ہوا۔

روسو پوری طرح جوان بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنی روزی کمانے پر مجبور ہو گیا اس کے والد نے اُسے دستکاری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کئی مقامات میں اس نے نوکری کی مگر اپنی تنگ مزاجی اور خاص قسم کی طبیعت کی وجہ سے کہیں نوکری نہ کر سکا نہ وہ اپنے کسی آقا کو خوش کر سکتا تھا نہ کوئی آقا اُسے مطمئن کر دینے کی قابلیت رکھتا تھا۔

اپنی زندگی کا یہ زمانہ اس نے سخت مصائب میں گزارا تنگدستی ہمیشہ اس کی رفیق رہی بے اطمینانی نے کبھی ساتھ نہ چھوڑا صحبت نہایت خراب تھی سوسائٹی کا سب سے بدترین طبقہ اس کے حصے میں آیا تھا۔

انتالیس سال اس طرح گزر گئے اب تک وہ بالکل گم نام تھا لیکن قدرت کی نظر عنایت اس پر شروع ہی سے تھی وہ اُسے اپنے مدرسہ مصائب میں تیار کر رہی تھی ۱۷۴۹ء میں اچانک اس کے اقبال کا ستارا طلوع ہوا فرانس کے ایک علمی اکاڈیمی نے ایک موضوع مقرر کیا اور اہل علم کو اس پر بحث کی دعوت دی مقابلہ سخت تھا منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے تاہم روسو نے ہمت کی اور مضمون لکھا۔ اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت ہوا مجمع علمی نے اس گمنام "عالم" کی قابلیت کا اعتراف کیا اور اُسے مقابلہ کا انعام دیکر ہمت افزائی کی۔ اس طرح دنیا نے پہلی مرتبہ سنا کہ "روسو" فرانس میں ایک بڑا عالم ہے۔ مگر کیا اس شہرت و عزت سے اس کی زندگی کی مصائب دور ہوگئیں؟ نہیں، اور زیادہ ہوگئیں۔ پہلے وہ صرف تنگدستی کا شکار تھا، اب وہ حکومت اور کلیسا کی دشمنی کا بھی شکار ہو گیا۔

جونہی اس کی تصانیف سوشل کنٹریکٹ، ہلاز اور ایمیل نامی شائع ہوئیں حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تھلکہ مچ گیا۔ دونوں نے بیک وقت اس پر یورش کر دی اور انتقام لینے کے لئے اپنے تمام ہتھیار سنبھال لئے۔

"ایمیل" کے شائع ہوتے ہی حکومت فرانس نے روسو کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا مجبوراً اُسے فرار ہی میں سلامتی نظر آئی۔ فرانس سے بھاگ کر جنیوا پہنچا مگر یہاں کی حکومت بھی اس کے لئے فرانس سے بہتر ثابت نہ ہوئی اس نے بھی اس کی گرفتاری ضروری سمجھی۔ یہ حال دیکھ کر اس نے ہالینڈ کا رخ کیا مگر ہالینڈ بھی ایک ایسے شخص کے استقبال کے لئے تیار نہ تھا اس نے بھی دار و رسن سے استقبال کرنا چاہا اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اٹلی میں پناہ لے وہ اٹلی پہنچا مگر اٹلی پوپ کا پایہ تخت تھا وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کے کفر و انکار پر گرفتاری و قتل کا فتویٰ صادر کر چکا تھا بس ہو کر وہاں سے بھی نکلا اور انگلستان کی راہ لی اسے امید تھی کہ انگلستان کے ایک گوشہ میں پناہ حاصل کر سکے گا لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی بے رحم نکلا اب اس کی مصیبت کا جام چھلک گیا تھا۔

یورپ میں اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی جہاں چھپتا تھا وہیں دشمن کا ہاتھ دراز ہو جاتا تھا۔ ابھی یہ مصیبت بڑھتی ہی جاتی تھی کہ ایک دوسری مصیبت بھی شروع ہو گئی یعنی طرح طرح کے جسمانی امراض و آلام نے آگھیرا آخر اسی حالت میں کہ دنیا اپنی ساری وسعت کے ساتھ اُس پر تنگ ہو چکی تھی ۱۷۷۸ء میں انتقال کیا۔

اورگوشۂ قبر میں پناہ لی۔

ان مصائب نے روسو کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا؟ کیا وہ ان سے مرعوب ہوگیا تھا؟ کیا اپنے عقاید و افکار سے دست بردار ہوگیا تھا؟ کیا اُس نے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کی زندگی بسر کرتا۔ زندگی کی عظمت اسکی دماغی تابانیوں سے زیادہ اُس کے دل کی مضبوطی میں ہے۔ بلاشبہ وہ اپنا جسم کونے کونے میں چھپاتا پھرا مگر اس کا قلم بے پناہ شمشیر بنکر ہمیشہ دشمن کا قلع قمع کرتا رہا۔ اس کی بلیغ ترین کتابیں اسی آخری عہد مصائب کی یادگار ہیں چنانچہ جب کتاب "ایمل" شائع ہوی تو اسقف اعظم نے روسو کے متعلق مندرجہ ذیل رائے قایم کی۔

"یہی وہ الحاد ہے جسے ایک شخص "روسو" نے اپنی کتاب "ایمل" میں پیش کیا ہے۔ اس شخص نے گناہ میں نشو و نما پائی ہے یہ ایک ایسی زبان بولتا ہے جو فلاسفہ کی زبان ہے مگر وہ خود فلسفہ سے تہی دست ہے یہ ایک ایسا ذہن ہے جس میں معلومات بے ترتیبی سے ٹھونس دیئے گئے ہیں مگر وہ ہنوز تاریک ہے اور صرف اپنی تاریکی ہی پر قانع نہیں ہے بلکہ دوسرے دلوں میں بھی تاریکی اتار رہا ہے یہ ایک ایسی طبیعت ہے جو عجیب و غریب افکار کی دلدادہ اور مجہول راستوں کی شیفتہ ہے اس میں اخلاق کا افلاس اور فکر کی ثروت دونوں بیک وقت جمع ہیں ایک طرف اُسے متقدمین کے اصول سے شغف ہے تو دوسری طرف نئی نئی باتوں کی ایجاد کا جنون ہے، وہ خلوت پسند بھی ہے اور شہرت پسند بھی۔ علم کی محبت کا بھی دعویٰ رکھتا ہے اور علم کی عداوت کا بھی علم اٹھائے ہوے ہے، انجیل کے کمال کا بھی اعتراف کرتا ہے اور اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ فضیلت کی ایسی خوبصورت تصویریں اتارتا ہے کہ بے اختیار تحسین و آفریں کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے مگر پھر فوراً فسق و فجور سے بھرے دلوں سے اپنی بنائی ہوئی شاندار عمارت گرا بھی دیتا ہے یہ روح انسانی کا مجسم بنکر سامنے آیا ہے۔ مگر الحاد اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں رکھتا۔ یہ ضلالت کا امام ہے فساد کا مرشد ہے شیطان کا پیامبر ہے تاریکی کا رہبر ہے اور اس سے بھی کچھ زیادہ ہے وہ اپنی کتاب میں انسان کو حیوان کے درجہ میں رکھتا ہے، ایک اور رسالہ میں نفس پرستی کی تبلیغ کرتا ہے پھر تربیت کی کتاب لکھتا ہے مگر سراسر الحاد کی دعوت دیتا ہے"۔

کارلائل بھی روسو کے متعلق رائے قائم کرتے ہوے کہتا ہے کہ "روسو" نے ایک کتاب لکھی تھی جب یہ کتاب شائع ہوی تو بہت سے آدمیوں نے اس کی ہنسی اڑائی لیکن جب اسکا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کی جلد باندھنے کے لئے اُن ہی لوگوں کے جسم کے چمڑے استعمال ہوے تھے جنھوں نے اُس کی ہنسی اڑائی تھی"۔

نپولین لکھتا ہے "انقلاب فرانس کچھ نہ تھا مگر "روسو" ایک اور موقعہ پر اُس نے کہا "روسو ہی انقلاب کا باپ تھا"

بلاشبہ روسو انقلاب فرانس کا باپ تھا لیکن وہ اس سے بھی بڑھکر تھا اس نے صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ اپنے پورے عہد کی عقلی و اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا کردیا اس کے مبادی اور اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط لیکن عملی دنیا کا فیصلہ یہی ہوا کہ وہ آنکھ بند کرکے اس کی رہنمائی پر چل پڑی اور دوسروں کی رہنمائی قبول کرنے سے انکار کردیا ۱۸۰۰ء سے لیکر آج تک دنیا کی قوموں کی حکومتوں میں، ان کی سوسائٹی اور معاشرت میں، ان کے عقلی اعمال و عقائد میں، اُن کے علم و فن کے کاروبار میں ایک بہت بڑی اور زندہ حقیقت روسو اور اسکے اصول مبادی ہیں۔ فقط

ٹیلیفون نمبر ۷۸۶
TELEPHONE NO 786
ایس۔ایچ۔اسماعیل جی
ربر پائپ کی ٹوٹی
گیلوانیس پائپ کی ٹوٹی
اسمٰعیل بلڈنگ افضل گنج حیدرآباد دکن
S.H.ISMAIL JEE
ISMAILBUILDING AFZALGUNJ HYDERABAD
DECCAN
گولی کا فوارہ
گولی کا فوارہ
تھریڈنگ کٹر
ڈائی کٹر پانے
ٹوٹی
تیلی دنکل
ٹوٹیاں
ٹوٹی
شاور باتھ
شاور باتھ
فوارہ
ہمہ ڈزائین کے
فوارہ
قفل کی ٹوٹی
گائے مورتی ٹوٹی
فوارے
MURTUZA ART.WORKS.
مرتضیٰ
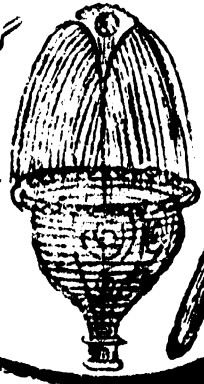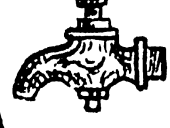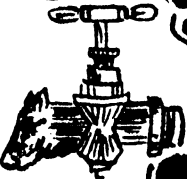
PHOTOGRAPHIC DEALERS GOWLI GUDA HYDERABAD (DN.)

فوٹوگرافی شوروم گولی گوڑہ حیدرآباد دکن

ہر ایک نمونہ کا دستی کیامرہ و دیگر فوٹو اتارنے
کا سامان بالکل نیا اسٹاک ہمیشہ دستیاب
ہو سکتا ہے

اس کا آپ ہمیشہ خیال رکھیے کہ تازہ اور
اچھا سامان وہیں مل سکتا ہے۔ جہاں
ہاتھوں ہاتھ مال بکتا ہے۔

The TWIN

بی - جی - چملگی

گولی گوڑہ ——— جام باغ

حیدرآباد دکن

منظوم ہی گذارش احوال واقعی

مولوی سید عبد القادر صاحب مرحوم تاجر کتب کے نام سے ملک کا علم دوست طبقہ اچھی طرح واقف ہے۔ آپ کی ملنسار طبیعت خوش معاملگی اور دیرینہ تجربہ کاری آپکے کامیاب کاروبار کی روشن دلیل ہے۔ نہایت افسوس کے ساتھ اس امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ کم و بیش ۴۰ سال ملک کی طباعتی و تعلیماتی گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد بتاریخ ۳ شوال ۱۳۵۵ھ اس دار فانی سے آپ نے رحلت کی۔

مولوی صاحب مرحوم نے ابتداً ۱۳۱۵ھ مین مختصر پیمانہ پر ایک تاجر کتب کی حیثیت سے کاروباری دنیا مین قدم رکھا اور آپکی ذاتی محنت و قابلیت اور دیانتدارانہ خدمتگذاری کی بدولت کاروبار مین رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی حتیٰ کہ آپ نے یہان کی تجارتی دنیا مین ایک ممتاز حیثیت حاصل کرلی آپکے کتبخانہ کو نہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی کے سررشتہ تعلیمات کی سول ایجنسی حاصل ہے بلکہ بیرون ہند کے ممالک جرمنی و لندن کی بعض مشہور کمپنیون کی بھی ایجنسی ملی ہے ملک و بیرون ملک کے متعدد اہل قلم حضرات کے تصنیفات و تالیفات ترجمے اور ممالک محروسہ کے مدارس کیلئے تمام درسی کتابین اور ان کے متعلقہ سامان اسٹیشنری وغیرہ کے بہترین اسٹاک کیلئے آپ کا کتبخانہ خاص شہرت رکھتا ہے۔

اعظم اسٹیم پریس کتبخانہ کے بڑھتے ہوئے کاروبار اور طباعتی ضروریات کو محسوس کرکے آپنے ۱۳۳۲ف مین پریس قائم کیا اور اس مین برقی قوت سے چلنے والی مشینین نصب کیگئین۔ طباعت کے متعلق تمام بہترین ساز و سامان سے اسکو آراستہ کیا گیا بیش قیمت تنخواہوں پر ماہرین فن باہر سے بلائے گئے۔ اور اس پریس کو شہزادہ والاشان حضرت ولیعہد بہادر کے نام نامی سے موسوم کرنے کی بارگاہ جہان پناہی سے اجازت عطا ہوئی۔ اسوقت مملکت دکن مین اس بہترین نوعیت کا یہ اولین مطبع قرار دیا گیا۔

اس مطبع کا کام جدید لوازمات سے آراستہ ہوکر جب پہلی دفعہ منظر عام پر آیا تو ملک مین ہر جگہ اس کی تعریف ہونے لگی۔ اور اہل ملک و خصوصاً علم دوست طبقہ مصنفین و مولفین نے سب سے پہلے تعاون کیا۔ دیدہ زیب طباعت وعدہ کی پابندی اور کفایت اس بہترین تجارتی اصولوں کو مطبع کا نصب العین قرار دیا گیا جس کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ مین اس نے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کرلی۔ چنانچہ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی نے گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر کے نام سے مخاطب فرمایا۔ اعظم اسٹیم پریس مین اس وقت تین برقی مشینین و پانچ لیتھو پریس مین اور قریب ایکسو سے زاید آدمی اس مین کام کرتے ہین۔ ہر قسم کی سادہ طباعت کے علاوہ مشکل سے مشکل رنگین کام بھی بہترین طریقہ پر انجام پاتا ہے مشہور و معروف تصنیفات تالیفات اور درسی کتابون کے علاوہ اکثر سرکاری دفاتر کا کام اور ملک کے روزانہ و ہفتہ وار اخبارات بھی یہین طبع ہوا کرتے ہین۔ مطبع کے کام اور حسن انتظام کے بارہ مین اکثر اعلیٰ عہدہ داران ریاست وقتاً فوقتاً معائنہ فرماکر اظہار خوشنودی فرماتے رہے ہین۔

اسمین شک نہین کہ اعظم اسٹیم پریس وسیع پیمانہ پر ملک کے طباعتی ضروریات کو باحسن الوجوہ بڑی حد تک پورا کر رہا ہے۔ مولوی سید عبد القادر صاحب مرحوم کی وفات کے بعد ان کے دونو ہونہار فرزند سید عبد الرزاق صاحب و سید عبد الوہاب صاحب کتب خانہ و پریس کے کاروبار کو اس وقت نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہین۔ فقط

ایک حق گو

اس پریس کو قایم ہوئے (سال ۱۳۳۲ف) چودہ سال ہوئے جو اس وقت تک خداوند تعالی کی مہربانی سے علم و ادب کے کتب وغیرہ چھپتے رہتے ہیں چنانچہ دفتری ضروریات کے رجسٹرات و فارم کی بھی سپلائی بروقت کی جاتی ہے۔ اس طرح پبلک کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ تلنگی۔ مرہٹی وغیرہ ہر زبان میں مولفین کے کتب طبع و شائع ہوتے رہتے ہیں ملک بھر کی ضروریات طباعت کو بکفایت انجام دیا جاتا ہے۔

(۲) "کہاں ہیں شائقین قدیم کتب کے دلدادہ" فارسی۔ عربی۔ اردو قلمی کتب خانہ ہذا میں موجود ہیں۔ اور جدید تالیفات کے علم دوست حضرات بھی ایک مرتبہ آرڈر دے کر شوق پورا کریں۔

(۳) تعلیماتی خدمات تو ہمیشہ کے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو طلبا سالانہ کامیاب ہوتے رہتے ہیں وہ وہ ہمیشہ تا کامیابی امتحان اعلیٰ ڈگری اس کتب خانہ کو بھولتے نہیں۔ انہی صفات کی بدولت یہ کتب خانہ ملک بھر میں خاصی شہرت رکھتا ہے امید ہے کہ عام پبلک اور سرکاری محکمہ جات ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام کے وقت پریس ہذا کی خدمات سے فائدہ اٹھائیں اور کتب خانہ ہذا سے ہر مذاق کی کتب طلب فرما کر مستفید ہوں تو کارخانہ ہذا ممنون و مشکور ہوگا۔

نیازمند

سید عبد الرزاق تاجر کتب و مالک رزاقی مشین پریس چار مینار حیدرآباد دکن

*

نصف قیمت　　　　نصف قیمت

یعنی پچاس فیصدی کی رعایت (صہ) روپیہ کے قیمتی کتب پر خرچ پڑھ معاف

یادگار جشن سالگرہ ہمایونی (ترپن) سالہ دور حکومت آصفی علا ... ایکا کی کیلئے تا آخر ماہ ... ۱۳۴۶ف

اردو میں قابل دید کتب

- مجمع الفصاحت — قیمت ۸/ ۴/
- کلمہ کی کل — قیمت ۴/ ۲/
- اصول اخلاق اسلام — قیمت ۲/ ۱/
- معیار الاخلاق — قیمت ۴/ ۲/
- کشف العطاء عن مسئلہ الربا — قیمت ۸/ ۴/
- اصول توارث — قیمت عہ ۸/
- زمزمہ نعت — قیمت ۴/ ۲/
- بالک باغ دو حصہ — قیمت ۱۲/ ۶/
- چمن زار الحکایات — قیمت ۸/ ۴/
- چمن زار دانش — قیمت ۸/ ۴/
- گنجینۂ ادب — قیمت ۱/ ۱۲/
- معیار اردو — قیمت عہ ۸/
- کمک اردو — قیمت ۱۲/ ۶/
- بزم اردو — قیمت ۱۲/ ۶/
- شرح بزم اردو — قیمت عہ ۸/
- ہند کی مصری ترجمہ تذکرۂ پاک — قیمت ۱۲/ ۶/
- تاریخ مرقع دکن با تصویر — قیمت عہ ۸/
- تاریخ سندھ حیدرآباد — قیمت عہ ۸/
- تاریخ تعلقہ زبل — قیمت عہ ۸/
- آثار دکن مجلد — قیمت عا/ عہ
- سیاحت نامہ ابراہیم بیگ — قیمت عہ ۸/
- ترجمہ سفرنامہ ابراہیم بیگ — قیمت عہ ۸/
- گولڈ اسمتھ کے خطوط — قیمت عہ ۸/
- کام کی باتیں اردو نظم و نثر — قیمت ۸/ ۴/
- کیمیاب سوانح و حالات نواب اکبر جنگ مرحوم — قیمت عہ ۸/
- کاشت ترکاری مولفۂ نواب عزیز جنگ بہادر — قیمت عہ ۸/
- رفتار زمانہ ناول — قیمت ۴/ ۲/
- دو پیکر تذکیر و تانیث — قیمت ع/ عہ
- دستور العمل مدرسین مجلد — قیمت ۴/ ۲/
- جدید قواعد پیمائش و بت مال پر بندی — قیمت عہ ۸/
- حلقۂ جونین — قیمت ۴/ ۲/
- جدید معلومات — قیمت ۱۰/ ۵/
- ابن عربی — قیمت عہ ۸/
- دیوان صائب مع ترجمہ اردو — قیمت عہ ۸/
- ہدیہ عمادیہ نظم فارسی — قیمت عہ ۸/
- مضامین حکمیہ — قیمت عہ ۸/
- دیوان بلبہار اردو نعتیہ — قیمت ۸/ ۴/
- نقشہ جات ضلعوار کریم نگر۔ میدک و بیڑ — قیمت ۲/ ۱/
- دکن کا مصور اٹلس اردو۔ مرہٹی۔ تلنگی ہر زبان علیحدہ — قیمت ۱۲/ ۱۴/
- نقشہ حیدرآباد کاغذی — قیمت ۲/ ۱/
- ناول عابدہ حصۂ اول دوم — قیمت ۱/ ۱۲/

المشتہر سید عبد الرزاق تاجر کتب و مالک رزاقی مشین پریس